PosTal Regd.No.LW/NP/63/2003to2005

March - 2005

Vol. No. 4 - Issue No. 10

Fornightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama, Lucknow-226007

R.N.I. No.UP. URD/2001/6071

مہمان خانہ (0522)2740151
دفتر اہتمام 2741272
رابطہ ادب اسلامی (فیکس) 2741221
شعبہ تعمیر وترقی (فیکس) 2741231

Phone : 0522-2274606(s)
® : 2616731

Mobile : 0522-9415786548

Mohd. Akram JEWELLERS

محمد اکرم جویلرس

Near : Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثناء جویلرس

Sana Jewellers

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ
301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس
Gehna Palace

Whenever You See Jewellery,
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Resi : 2226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

Shop : 9415002532
2613736
3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow - 18

(Proprietor : Wali Ullah)

WALI ULLAH JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver
& Diamond Jewellery

Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow - 226 018
Mob. : 9415090544, Shop : 2627446, Res. 2254796

Editor : **Shamsul Haq Nadwi** Office Ph : 2741235(Ext) 18 Printed & Published by **Athar Husain**
on behalf of **Nadwatul Ulama** at **Parekh Offset Printing Press**, Tagore Marg, Lko. Ph :2740966

گوشۂ ادب اسلامی

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

اشاعت کا ۴۲ واں سال

"ادب ادب ہے خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، یا کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور اس کو قبول کرے، حسن پسندی تو یہ ہے کہ حسن جس شکل میں ہو اسے پسند کیا جائے، بلبل کو آپ پابند نہیں کر سکتے کہ اس پھول پر بیٹھے، اس پھول پر نہ بیٹھے، یہ کہاں کا حسن مذاق اور کہاں کی حق پسندی ہے کہ اگر گلاب کا پھول کسی میخانہ کے صحن میں اس کے زیر سایہ کھلے تو وہ گلاب ہے، اور اس سے لطف اٹھایا جائے، اور اگر کسی مسجد کے چمن میں کھل جائے تو پھر اس میں کوئی حسن نہیں؟ کیا یہ جرم ہے کہ اس نے اپنے نمود اور اپنی جلوہ نمائی کے لئے مسجد کا سہارا لیا؟ بقول اقبال۔

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے — بن اگر شہروں سے پیارے ہوں تو شہر اچھے کہ بن؟

ہمیں حسن بے پروا سے مطلب ہے کہ شہر و صحرا سے؟ لیکن ادب کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا"۔

(ماخوذ از : دین وادب)

۱۰/اپریل ۲۰۰۵ء

Rs 7/-

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

اشاعت کے ۴۲ ویں سال

جلد نمبر ۴۲ | ۱۰ اپریل ۲۰۰۵ء مطابق صفر المظفر ۱۴۲۶ھ | شمارہ نمبر ۱۰

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

معاون: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر: امین الدین شجاع الدین

معاون: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زرتعاون

سالانہ -/۱۵۰ ——— فی شمارہ -/۷

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayaat

Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007

فون (دفتر) 18 2741235 (Ext) مہمان خانہ 2740151 (0522)

Website : www.nadwatululama.org

e-mail : Nadwa@sancharnet.in

thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

Parakh Computers Ltd. Mob. 9335291332, 9839513698

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

نور بصیرت

قرآن ہی نسخہ کیمیا ہے — حضرت مولانا یعقوب مجددیؒ — ۲

اداریہ

عقل کا بچپن — حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی — ۳

کلیدی خطبہ

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۴

گوشۂ ادب اسلامی

اردو زبان پر اسلامی اثرات — جناب مولانا واضح رشید ندوی — ۷

سیمینار اور سیاحت — حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی — ۱۰

رباعیات — پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ — ۱۳

تیموری شہزادوں کا شعری ذوق — مولانا محمد احمد بیگ ندوی — ۱۷

دین کے ایک "سہراب" کے گاؤں کا ایک سفر — امین الدین شجاع الدین — ۲۱

رابطہ کا اجلاس کلکتہ (ایک رپورٹ) — جناب مولانا اقبال احمد ندوی — ۲۶

متفرقات

مل جل کر کام کرنے کی ضرورت — مولانا شمس الحق ندوی — ۱۴

مہذب دنیا میں جرائم کا گراف — محمد اعظم جمشید پوری — ۲۵

ندوہ کے شب وروز — ادارہ — ۲۸

وفیات

مصری ادیب جناب شوقی ضیف کی رحلت — ڈاکٹر شفیق خاں ندوی — ۳۰

آخری صفحہ

پیغمبر صحرا کو سرزمین ہی پتھریلی عطا کی گئی تھی — امین الدین شجاع الدین — ۳۱

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زرتعاون ۱۵۰/روپئے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

جدید نسل کو صالح غذا پہونچانے کے لئے

ایک نئے مدرسۂ فکر کی ضرورت

"کاروانِ زندگی" کی جلد اول ہی سے قارئین کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ مجھے اپنی تدریسی وتعلیمی مشغولیت کے زمانہ میں بھی اور اپنے تحریری وتصنیفی دائرہ کے اندر بھی ہمیشہ اس حقیقت کا ادراک رہا کہ ادب اپنے اندر عظیم تعمیری وتخریبی طاقت رکھتا ہے، اس سے ایک طرف عقائد صحیحہ کی استواری، اور صحت مند اور صالح رجحانات کی آبیاری کا کام لیا جاسکتا ہے، تو دوسری طرف اخلاقی انسانی قدروں پر تیشہ زنی اور ذہنی ومعاشرتی انتشار کا بھی، اور ہر دور میں اس کی روشن اور ناقابل انکار شہادتیں ملتی ہیں، لیکن اس دور میں ادب کی (اپنے وسیع معنی میں) جدید طاقتور وسائل کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے جہانگیری اور فرماں روائی، بہت بڑھ گئی ہے، عرصہ سے یہ دیکھا جارہا ہے کہ جس طرح کبھی فلسفہ کے راستہ سے الحاد اور تشکیک کا سیلاب مسلمانوں کے علمی وفکری طبقہ میں آتا تھا، اس کے بعد سائنس (خاص طور پر علوم طبیعیہ) کے راستہ سے تعلیم یافتہ طبقہ میں آنے لگا، اور کہیں کہیں نفسیات (سائیکالوجی)، اجتماعیات (سوشیالوجی) اور اقتصادیات وسیاسیات کے راستہ سے آتا تھا، اب بہت سی جامعات اور دانشگاہوں میں ادب کے ذریعہ سے آرہا ہے۔

خاص طور پر یہ بات فکر ودعوت اسلامی کے حاملین کے لئے تشویش کا باعث تھی کہ بلاد عربیہ بالخصوص مصر میں تقریباً نصف صدی سے ادب وتنقید اور نوجوانوں کو ذہنی وادبی غذا پہونچانے کے میدان پر ان ادباء اور اہل قلم کی اجارہ داری قائم ہوگئی تھی، جن کے عقائد میں خود تزلزل، ذہن میں انتشار، اور تحریروں میں تشکیکی رجحان پایا جاتا تھا، اس لئے ایک طرف اس کی ضرورت تھی کہ عربی ادب کے خزانۂ عامرہ سے وہ طاقتور اور دل آویز ادبی وتحریری نمونے نکالے جائیں اور ان کو نمایاں کیا جائے، جن کو بسولت پسندی اور قدیم مؤرخین ادب کی پیروی میں نظر انداز کر دیا گیا، یا اس قصور میں کہ وہ کسی عالم وداعی اور دینی شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں، ان کو "ایوان ادب" سے دور کر دینے یا الگ رکھنے کی سزا دی گئی، اور صدیوں ان پر پردہ پڑا رہا، دوسری ضرورت اس کی تھی کہ ادب عربی کے ایسے اساتذہ، اہل قلم اور دانشوروں کو جمع کیا جائے جو عربی ادب وانشاء اور تنقید وتاریخ ادب کو صحیح رخ پر لگانے کی کوشش کریں، اور جدید نسل کو صالح غذا پہونچانے کے لئے ایک نیا ذخیرۂ کتب (مکتبہ) اور ایک نیا مدرسۂ فکر (مکتب خیال) پیدا کر سکیں۔

(ماخوذ: کاروانِ زندگی جلد دوم ص ۳۲۸-۳۲۹)

نورِ بصیرت

قرآن ہی نسخہ کیمیا ہے

حضرت مولانا محمد یعقوب مجددیؒ کا ایک مکتوب

محبت شعار خوش اطوار

جناب مولوی عبدالرشید صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرصہ ہوا جوابی کارڈ موصول ہوا تھا، کچھ مہمان معززین تشریف لائے ہوئے تھے، بعض مصروفیتیں پے در پے رہیں، اس عرصے میں آپ کا کارڈ کہیں رکھ کر بھول گیا تھا، بہت پریشان ہوا۔ آپ نے یہ خیال فرمایا ہوگا کہ اس نے جواب دینے میں کوتاہی کی خدا کا فضل ہے جناب کا کارڈ ملا اور مجھ کو تسکین حاصل ہوئی، جناب کے رجحانات اور جذبات قابلِ قدر ہیں اللہ جل شانہٗ اس میں ترقی عطا فرمائے۔ پختہ اور صحیح راہوں پر ان کو صرف کرنے اور چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جذبات قلوب اور رجحانات ایک پانی ہے۔ جو چیز اس میں شامل ہوتی ہے ادھر ہی کی طرف اس کا سیلان ہوتا ہے اور اس کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے اگر مٹھاس ملاؤ تو میٹھا ہو جائے گا، اگر نمک ملاؤ تو کھارا ہو جائے گا اور رنگ ملاؤ تو رنگین ہو جائے گا اور جو چیز اس میں ملائی جائے اس سے یہ متلون ہو جاتا ہے اس کی احتیاط اور اس کی حفاظت اور اس کو مصفا رکھنا بہت اہم ترین فرائضِ انسانی میں سے ایک فرض ہے۔

کتابیں اور بیانات نسخہ ہیں ہدایات کے۔ مزاج مختلف ہیں اور نسخے مختلف ہیں بعض وقت مرض کچھ ہوتا ہے اور نسخہ کچھ ہاتھ میں آجاتا ہے نسخہ صحیح ہوتا ہے مگر مزاج کے مطابق نہ ہونے سے یا تو مرض دور ہونے میں دیر ہوتی ہے یا وقت ضائع ہوتا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ کوئی کتاب لکھئے۔ کتابیں تو نسخہ ہیں امراض مختلفہ کے، بعض وقت مرض کچھ ہوتا ہے اور نسخہ کچھ، اس لئے کتابوں سے شفا پانا ناممکن ہوتا ہے بہترین شکل اور افضل ترین صورت جو میرے ناقص خیال میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت مع ترجمہ اور کوئی آسان تفسیر رکھ کر تو غل اور تشغل بڑھایئے۔ تمام کتابیں دیکھنے اور بڑی کتابیں پڑھنے سے افضل واعلیٰ ثابت ہوگا ہر رجحانات اور ہر جذبات کو صحیح راہ پر چلانے والی چیز ایک ہی ہے ورنہ ہر ایک چیز ٹھیک ہے۔

راقم

(حضرت) محمد یعقوب (مجددیؒ)

عقل کا بچپن

حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی

بات صرف اسی ملک کی نہیں ہے کہ ایک وزیر کے یہاں چھاپہ پڑا اور بڑی مقدار میں ایسی دولت ہاتھ آئی جو بینکوں میں نہیں رکھی جاسکتی تھی، جن صاحب کے دولت کدہ پر بوریوں میں اور تھیلے میں بھرے ہوئے بیرونی ممالک کے سکے ملے، وہ بہت سادہ، وضع دار، سادھو صفت، سن رسیدہ، اپنی ملت کے خیر خواہ تھے۔ غریبوں سے ہمدردی رکھتے تھے، جتنی رقمیں وہ سیاہ سے سفید کر سکے اور جتنی جائدادیں خرید سکے وہ ان کی زندگی بھر کے لئے بلکہ اولاد در اولاد کے لئے کافی تھی یہ رقم جس کی سفیدی نے ان کے چہرے پر دھبے ڈال دیئے، کس دن کے لئے اور کس کے لئے دبا رکھی تھی معلوم نہیں!!

بہر حال یہ تو ایک جمہوری ملک ہے، حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، آج جو صاحب اختیار ہیں کل وہ دھندلکے میں پڑ جاتے ہیں اور نئے چہرے اپنی دنیا کی ابتداء کرتے ہیں، عوام پسنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں، وہ پستے رہتے ہیں، ایک ملک میں ملک کے دفاع کے نام پر کروڑوں، اربوں کی رقمیں ارباب حکومت نے جمع کیں اور بڑے حکمراں کے کسی صاحبزادے یا خویش نے قرض لیا اور وہ قرض معاف کر دیا گیا، ایسا بھی ہوا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

شرق اوسط کے ایک بہت نازک مسئلہ پر دنیا نے دل کھول کر چندے دیئے، پانچ سو ملین اور ہزار ملین ڈالر بہ یکمشت ایک بار نہیں کئی بار "مجاہدین" کے سردار کو عطا کی گئی، ان کو صدر کا درجہ دیا گیا، تین تین ہوائی جہاز ان کے قبضہ میں رہے، عیش وعشرت کی خوگر فوج بھی دی گئی، ان کو بھی روس کی سرپرستی حاصل تھی، اور برطانیہ کی ہمدردی کا تمغہ ملا، کبھی ان کو یہ حکم دیا گیا کہ سر تسلیم خم کر کے صلح نامہ پر دستخط کریں، اور توبہ کریں کہ آئندہ سے اپنے مخالفین کے حقوق پر حملہ آور نہیں ہوں گے، اور اگر یہود کبھی حملہ آور ہو جائیں تو وہ اس کا جواب نہیں دیں گے، جب لبنان کا ایک شہر "شتورہ" عربوں سے خالی کرایا جا رہا تھا، ہزاروں مجبور و بے بس قتل کئے جا چکے تھے، یہ صدر صاحب ایک ولا (Villa) میں آرام کرسی پر بیٹھے جہاد کر رہے تھے، مصیبت زدہ قوم کی مدد کے لئے، ان کے زخموں کے علاج کے لئے ان کے عارضی ٹھکانے بنانے کے لئے، جو خلیج کی ریاستوں نے اور دوسرے ملکوں نے نذرانے پیش کئے، ان کی مقدار کا اندازہ تین بلین ڈالر لگایا جاتا ہے، جو موصوف نے سوئزرلینڈ کے بینکوں میں اپنے نام سے رکھے تھے۔ اور جس کی وارث آج ان کی لیڈی صاحبہ ہیں، جب ان کی زندگی کے دن پورے ہوئے تو معلوم ہوا کہ مظلوم فلسطینیوں کی مدد کے لئے جو پیسے جمع تھے وہ سوئزرلینڈ کے فلاں بینک میں صدر صاحب کے ذاتی کھاتہ میں جمع ہیں، ایسے موقع پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ پیسے کی پوجا کرنے والے، غریبوں کا خون چوسنے والے، مزدوروں کی پیشانیوں سے بہے ہوئے پسینہ کی قیمت اکٹھا کرنے والے کس دن کے لئے اور کس کے لئے یہ کاروبار پھیلاتے رہے، جتنی بھی عیاشی کر سکتے تھے کر لی، جتنی پی سکتے تھے پی لی، اب یہ رقمیں ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے کیا کام آئیں گی، اس بات کا جواب عرب اخبار نویس دے سکتے ہیں، جو زمین کا قلابہ آسمان سے ملانا جانتے ہیں، ہاں کسی کے ضمیر کو مطمئن نہیں کر سکتے، البتہ ایک قول کی تصدیق ہو جاتی ہے جس کو منوانے کے لئے بڑی گہری فکر کی ضرورت نہیں ہے عام بات ہے، اور وہ قول زریں ہے: لا یملأ بطن ابن آدم إلا التراب

یعنی انسان کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ ☆☆☆

کلیدی خطبہ

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک بزرگ رہبر و مثالی شخصیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد ، و علی آلہ و صحبہ أجمعین ، و بعد :

برصغیر ہند و پاک میں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی ، اس دوران مختلف خاندانوں کے حکمراں آئے اور گئے ، اور اس بڑے ملک کے معاملات کی انجام دہی میں اپنی اپنی ذہانت اور قوت کار کی تاریخ بنائی ۔ ان حکومتوں کا ملک کے عام معاملات میں طرز عمل سیاسی اور غیر مذہبی رہا ۔ اس طرح اس ملک کے مختلف مذاہب کو اپنے اپنے طرز پر رہنے اور اپنے اپنے ماننے والوں میں اپنے مذہب و ملت کے تقاضوں پر عمل کرنے کی آسانی رہی ۔ گذشتہ دو صدیوں کے دوران برطانوی حکومت کے ہاتھوں میں یہاں کی عنان حکومت آگئی اور انہوں نے ملک کے باشندوں کے لئے اگرچہ سیکولر انداز ہی اختیار کیا لیکن اپنے برطانوی ملک کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک کو اپنے ملک کی جائداد سمجھا اور اسی کے مطابق سیاسی و انتظامی رویہ اختیار کیا ، اور اپنے کو برتر اور ملک کے عوام کو کمتر درجہ کا سمجھنے کا رویہ اختیار کیا ، چنانچہ ان سے گلو خلاصی کی تحریکیں چلیں اور ملک کے سب طبقات نے متحد ہوکر جہاد آزادی میں شرکت کی اور طویل جد و جہد کے بعد ۱۹۴۷ء میں ملک کو آزادی ملی ۔ اور یہ آزادی شاہی نظام کے بجائے جمہوری نظام کی صورت میں حاصل ہوئی ۔

۱۸۵۷ء کے بعد کا دور مسلمانوں کے لئے خاص طور پر بہت سخت گذرا ، جب کہ برطانوی استعمار نے اپنے انتقام کا نشانہ زیادہ تر مسلمانوں کو بنایا ، اور صرف اسی برصغیر ہی میں نہیں بلکہ مغربی ایشیا کے مسلم ممالک کو بھی اپنی سامراجی زیادتیوں کا نشانہ بنایا ، وہاں اس کی چیرہ دستیوں نے ترکوں اور عربوں کو سخت گزند پہونچائی ، اور وہاں مسلمان حکومتوں کو شکستہ اور پراگندہ بنایا ۔ ایسے وقت میں ہمارے برصغیر کی بزرگ شخصیتوں نے اپنی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے امت مسلمہ کے دینی بقاء اور ملی تحفظ کے لئے بڑی کوششیں کیں ، چنانچہ ایک طرف اس برصغیر کی آزادی کی لڑائی چھیڑی ، اور دوسری طرف مسلمانوں کی دینی و سماجی اقدار کو بچانے کا کام انجام دیا ۔ ملک کی آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد ایسی بڑی شخصیتوں کے نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں ۔

آزادی کے بعد ملک کے جمہوری چوکھٹے میں مسلمانوں کو اقلیت کی حیثیت حاصل ہوئی ، اور اقلیت میں ہونے کی صورت میں ان کو اپنے مذہب اور ملی اقدار کے تحفظ کی ضمانت کی ضرورت محسوس ہوئی ، جو ملک کے دستور میں ان کو دی گئی ہے ، لیکن ایسی کسی ضمانت کے صحیح نفاذ کے لئے خود اقلیت کو بیدار مغزی سے کام لینا ہوتا ہے ، اور حسب ضرورت قوت کردار کو صحیح طور پر استعمال کرنا ہوتا ہے ۔

ہمارے اس ملک کے مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان میں برابر ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جو اس مطلوبہ بیدار مغزی اور صحیح قوت کردار کے حامل رہے ، ماضی قریب کے ایسے ہی عظیم افراد میں ہمارے اس مذاکرۂ علمی کی اختیار کردہ شخصیت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت بھی نمایاں طریقہ سے سامنے آئی ۔ وہ ایک طرف عظیم القدر عالم دین اور دوسری طرف دینی مرشد و مربی ، تیسری طرف ملت کے سماجی و ملی معاملات کی فکر رکھنے والے رہبر قوم اور چوتھی طرف سیاسی بصیرت رکھنے والے کارگذار رہبر تھے ۔

انہوں نے اپنی اس چوگوشہ صلاحیتوں اور خصوصیات سے ملک و ملت کو بڑی تقویت پہونچائی اور قابل توجہ معاملات کے حل کے لئے خصوصی کارگذاری کا ثبوت دیا ۔

انہوں نے ملت کے دو میدانوں یعنی ملت کے تشخص اور اس کی شریعت کی حفاظت کی طرف خاص طور پر توجہ دی ، ان میں ایک تو خود ملت کے اندرون کے دائرے میں پیش آنے والے معاملات تھے ۔ مولانا کو ان کی مبصرانہ اور رہبرانہ صلاحیت کی بناء پر امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کا منصب پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا ، لہذا اس کے ذریعہ مسلمانوں کے شرعی معاملات کے لئے ضروری تدبیر و انتظام سے کام لیا ، اور ملت کے اپنے سماجی معاملات اور شریعت اسلامی پر عمل کے نفاذ کی فکر کی ۔ پھر اس کام کو نئے قائم ہونے والے پوری ملت کے نمائندہ ادارہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ مزید وسیع کرنے کی قابل قدر فکر کی ۔

دوسرا میدان عمل ان کا شریعت اسلامی کے تحفظ میں ملت کے باہر سے پیش آنے والے خطرہ کا

معاملہ تھا جو ملک کے قومی و وطنی دائرے کے اندر ابھرتا نظر آنے لگا تھا ، اس کے لئے ضرورت تھی کہ شریعت اسلامی کے تحفظ میں دستور کے ذریعہ حاصل کردہ اسلامی شریعت کا حق صحیح طور پر برقرار رہے ، چنانچہ جس وقت شریعت کے تحفظ کے سلسلہ میں خطرہ محسوس کیا گیا اور دستور کے دیئے ہوئے حق کی بنیاد پر اس خطرہ کو دور کرنے کی کوشش کی ضرورت سامنے آئی تو اس کے لئے متفقہ طریقہ سے کوشش کرنے کی خاطر مسلمانوں کے اس مشترکہ و متفقہ فورم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل عمل میں لائی گئی ، اور اس میں مولانا منت اللہ صاحب نے خصوصی روح رواں کی حیثیت سے کردار انجام دیا ، اور پھر زندگی بھر اس کے معاملات و مسائل کے حل میں پیش پیش رہے ۔ اور انہوں نے بورڈ کے منتخب جنرل سکریٹری کی حیثیت سے بورڈ کے اول صدر مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اتفاق و مشورہ سے قابل حل مسائل کے حل کا نمایاں کام انجام دیا ۔ اس طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ ان مذکورہ بالا حضرات نے مسلمانوں کے ملی اتفاق و اتحاد کی ایک غیر معمولی بنیاد قائم کی جو عوامی سطح پر بالکل منفرد مثال ہے ، اور مسلمانوں کی سمجھ داری اور ان کی ملی عزت و شہرت کا بھی ذریعہ ہے ۔

مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعلیٰ صفات کچھ تو ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے ورثہ میں ملی تھیں جو عظیم عالم دین اور داعی و رہبر ملت تھے ، اور کچھ ان میں والد ماجد کی نگرانی اور جذبۂ اصلاح و تربیت کے سایے میں تربیت پانے سے حاصل ہوئی تھیں ۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ کس غیرت دینی اور سوز عمل سے ان کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملت کے تعلیمی اور سماجی تحفظ کے لئے کام کر رہے تھے ، ان کے والد ماجد نے مسلمانوں کے تعلیمی نصاب و نظام کو بہتر بنانے کے لئے ندوۃ العلماء کے قیام کے عمل میں اولین حصہ لیا ، اور عیسائیت اور قادیانیت کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مونگیر کو مرکز عمل بنایا اور مسلمانوں کی دینی و اخلاقی تربیت کا بھی اس کو مرکز بنایا ۔ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کے ذہن نے اپنے والد کے جذبۂ دینی و فکر عمل سے یقیناً خصوصی اثر لیا ہوگا ۔ چنانچہ اپنے والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد انہوں نے ملت کے دینی و سماجی مقاصد کے لئے فکر و جد و جہد کا پورا ثبوت دیا اور ملت کے دینی و سماجی تحفظ کا کام انجام دیا ۔

انہوں نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز مونگیر و حیدر آباد سے کیا ، پھر چار سال ندوۃ العلماء میں اور اس کے بعد دار العلوم دیوبند رہے ، اور تعلیم مکمل کر کے ملت و شریعت کی نصرت کی ذمہ داری سنبھالی ۔

ملت اسلامیہ کے مفاد کی فکر میں ان کا جو حصہ رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے ، ان کی دور اندیشی ، حکمت عملی اور جذبہ و عمل کی داد عام طور پر دی گئی ۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا بحیثیت صدر بورڈ کے ، اور بحیثیت ایک دوست اور شریک عمل کے مولانا منت اللہ صاحب کا ساتھ رہا ، انہوں نے مولانا کی وفات پر جو تاثرات تحریر کئے ، ان میں وہ لکھتے ہیں :

”مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کا احساس ذمہ داری ، ملت کے ساتھ ربط و تعلق اور اس کے مصائب و ابتلاءات پر دلگیر و فکر مند ہونا ، مسلم پرسنل لا کی تحریک ہی میں محدود نہیں تھی ، وہ فرقہ وارانہ فسادات ، مسلمانوں کی نسل کشی ، مساجد کے انہدام وغیرہ کے واقعات پر بھی ایسے ہی فکر مند ہو جاتے تھے ، اور ان کے سلسلہ میں کوئی سعی و کوشش اٹھا نہیں رکھتے تھے ۔ چنانچہ نومبر ۱۹۸۹ء میں بھاگلپور میں ایک سفاکانہ اور انسانیت سوز فرقہ وارانہ فساد ہوا ، مولانا نے اس سلسلہ میں جو کچھ ممکن تھا کیا ، انہوں نے ایک بڑا مؤثر اور دردانگیز خط تحریر فرمایا جس میں انہوں نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا ۔ راقم نے اس مکتوب کو سامنے رکھ کر اور اس میں سے کچھ اقتباسات اخذ کر کے اکثریتی فرقہ کے مذہبی پیشواؤں ، ملک کے سیاسی رہنماؤں اور ہندوستان کے ممتاز دانشوروں کے نام ایک پُر اثر خط کا مسودہ بنایا جس کی بنیاد اور مواد مولانا ہی کا خط تھا ، وہ خط ڈاک اور ملاقات کے ذریعہ سربرآوردہ ترین اشخاص تک پہونچایا گیا ، اور جہاں تک اندازہ ہے وہ بے اثر نہیں رہا“ ۔ (۱)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں :

”مولانا کی شخصیت اپنی ریاست اور ملک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ اس عہد کے عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیتوں میں تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے علم و اخلاص ، عزم و قوت ارادی ، اصابت رائے ، توازن و اجتماعیت کی ان کی ذات میں ایسی متعدد خصوصیتیں پیدا فرمادی تھیں جن کا ایک شخصیت میں بہت مشکل سے اجتماع ہوتا ہے ، اس کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسے متعدد یگانہ دینی و ملی تاریخی کام لئے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے ۔ مدارس سے علماء ، دانش گاہوں سے فضلاء ، اور سیاسی میدانوں سے اور جد و جہد کے مرکزوں سے قائدین اور زعماء نکلتے رہیں گے ، لیکن ہاتف غیب کی صدا کانوں میں آتی رہے گی ع

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا کی وفات سے نہ صرف امارت شرعیہ

بہار واڑیسہ جیسی فعال، مؤثر ومبارک تحریک وتنظیم (جس کی نظیر ملنی مشکل ہے) اور ریاست ہائے بہار واڑیسہ کی دینی وملی قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کا بظاہر پُر ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے، اور نہ صرف ادارہ اپنے بانی ومحرک وروح رواں شخصیت سے محروم ہوا بلکہ ہندوستان کی دینی، ملی وفکری قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوا جس کا قحط الرجال کے اس دور میں پُر ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے"۔ (۲)

مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت کو بیان کرتے ہوئے ملک کے مایہ ناز مؤرخ وپروفیسر ڈاکٹر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں:

"مولانا رحمانیؒ کی شخصیت بہت ہمہ جہت تھی، اور وہ ہر پہلو سے اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں کو پورا کرتے تھے۔ ایک طرف "خانقاہ رحمانی" کی سجادہ نشینی، دوسری طرف "جامعہ رحمانی" کی نگرانی، تیسری طرف دارالافتاء اور دارالقضاء کی تنظیم اور چوتھی طرف پرسنل لا سے متعلق مسائل کا حل۔ وہ ۱۹۴۲ء میں خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں اور ۱۹۵۷ء میں بہار اور اڑیسہ کے امیر شریعت مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، پھر جناب محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ (اب رحمۃ اللہ علیہ) کی صدارت میں بڑے خلوص اور محنت سے کام کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی فکر اور امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی تنظیمی صلاحیتوں نے ایک پُر آشوب دور میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی ہے

موجوں کی تپش کیا ہے؟ فقط ذوق طلب ہے
پنہاں جو صدف میں ہے وہ دولت ہے خداداد!

(۳)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے وقت کی آواز کو پہچانا، اور پوری دینی بصیرت اور مجاہدانہ عزم کے ساتھ علوم دینی کے احیاء، مسلمانوں کے دینی تشخص کے تحفظ اور شریعت اسلامیہ کی پاسداری میں اپنی عمر گذار دی۔" (۴)

معروف عالم دین ومحقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:

"ان کی خدمات کی فہرست بہت طویل ہے۔ ۳۴ سال تک امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت رہ کر مسلمانوں کے جملہ دینی ومذہبی امور و معاملات میں ذمہ دارانہ کردار ادا کیا۔ تقریباً ۱۸ سال تک آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی نظامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے اور اس سلسلہ میں بڑے بڑے فتنوں اور سازشوں کو ناکام کیا۔ ۴۶ سال تک جامعہ رحمانی مونگیر کی تعمیر وترقی اور تعلیمی و تدریسی خدمت میں لگے رہے۔ ۴۹ سال تک خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں رہ کر ارشاد وتلقین اور بیعت و تربیت کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ مزید برآں سادگی، بے نفسی اور خوردنوازی نے ان کی شخصیت کو پُرکشش بنا دیا تھا"۔ (۵)

حضرات! مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمہ اللہ نے امارت شرعیہ کی ذمہ داری ملنے پر اس کی افادیت کو بڑھانے اور اس کے مقصد کے تحت آنے والے پہلوؤں کو فعال بنانے میں اپنی عالمانہ اور مدبرانہ صلاحیتوں سے جو کام لیا وہ ایک عظیم کام تھا، جس کے نتیجہ میں صوبۂ بہار واڑیسہ کے مسلمانوں کو اپنے شرعی معاملات اپنے طریقے سے جاری کرنے اور ان کو انجام دینے میں امارت شرعیہ کے ذریعہ بڑی حد تک خود کفالتی حاصل ہوئی، اور شریعت کے دائرے میں آنے والے ان کے مسائل کا حل خاصی حد تک ایسے ذمہ دارانہ طریقہ سے ہونے لگا کہ صوبہ کی عدالتوں تک کو متعدد معاملات میں اس کے فیصلوں کی تائید کرنا پڑی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں دینی حمیت کے ساتھ وسیع النظری کا ایسا انداز تھا کہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے شریعت کے تحفظ کی ضرورت کو انہوں نے پوری اہمیت کے ساتھ دیکھا، اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل میں نہ صرف یہ کہ بنیادی کردار ادا کیا، بلکہ اس کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے حالات کے صحیح جائزہ کے ساتھ شریعت اسلامی کی نصرت کا کام انجام دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ اس میں غیر اسلامی ذہنوں کی طرف سے عدم تعاون کی فضا چل رہی تھی۔ ایسے حالات میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا پلیٹ فارم جو ملت اسلامیہ کا متفقہ پلیٹ فارم بن کر ابھرا اس ملت پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ متفقہ پلیٹ فارم کے ذریعہ ہی ملت کے بنیادی مذہبی حقوق کا تحفظ کیا جاسکتا تھا۔ اس پلیٹ فارم کو ملت اسلامیہ کے صرف اتفاق واتحاد ہی کی طاقت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس کو علم وحکمت کے لحاظ سے متعدد عظیم شخصیتیں کام میں مشارکت و تقویت کے لئے حاصل ہوئیں، جن میں سرفہرست بورڈ کے باوقار صدور مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو مسائل کے حل میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں ان میں ان کا اچھا حصہ رہا۔

یہ وہ دور تھا کہ اس میں ملت کے بنیادی مذہبی حقوق کے تحفظ کی راہ میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں ان کی اہمیت اور قدر وقیمت کو آج کے حالات میں

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

ادب اسلامی

(پہلی قسط)

اردو زبان پر اسلامی اثرات

عربی تحریر: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
اردو ترجمہ: اقبال احمد ندوی غازیپوری

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد خاتم النبیین، وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین أما بعد!

اردو زبان دنیا کی دیگر زبانوں سے بہت سے امور میں مختلف ہے، جن میں پہلا اور بنیادی اختلاف یہ ہے کہ اردو زبان ایک جدید زبان ہے جس کی عمر ۳۰۰ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ مغلوں کے آخری دور میں پنپی، پھلی پھولی اور ترقی یافتہ زبان بنی۔ یہ وہ دور تھا جب کہ ابھی اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا، اور ان کا کلچر ہی رائج وغالب کلچر تھا۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اس زبان نے اپنے لغوی اور فکری سرمایہ میں ترکی، فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت جیسی دیگر زبانوں سے کافی مدد لی ہے، اور ان زبانوں کے الفاظ حسب ضرورت اس میں منتقل ہوئے، اور ان سب کے اختلاط وآمیزش سے اردو زبان عالم وجود میں آئی۔ اس کی کتابت میں فارسی رسم الخط اختیار کیا گیا۔ پھر دوسری زبانوں سے منتقل ہونے والے الفاظ اردو میں آکر ہندوستانی ماحول میں ڈھل گئے اور انہوں نے ہندوستانی لب ولہجہ اور اسلوب اختیار کرلیا اور ان پر یہاں کا مقامی رنگ چڑھ گیا۔

اردو زبان مسلمانوں کے دور عروج وعہد قوت و سطوت میں اور اسلامی ماحول کی برتری وبالادستی کی فضا میں پروان چڑھی، خاص طور پر شمالی ہند اور دکن کی اسلامی ریاستوں میں اس کو زیادہ برگ وبار حاصل ہوا، جس کے نتیجہ میں اس زبان پر اسلامی رنگ پختہ ہوا اور اس پر اسلامی ثقافت کی چھاپ پڑی، اور اسلامی تعبیرات واصطلاحات زبان کے بنیادی اجزاء قرار پائے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں" میں اردو زبان کی پیدائش اور نشوونما کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہندوستان کی اصل زبان سنسکرت ہے، اور ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق اس زبان میں ان کی چار آسمانی اور مقدس کتابیں ہیں، لیکن روزمرہ اور عام بول چال کی زبان دوسری ہے، جو ہندوستان کے بڑے حصے میں بولی جاتی ہے، اور اس کو بھاشا زبان کہتے ہیں۔ جب ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور عرب وعجم سے یہاں مسلمانوں کی آمد ہوئی تو عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں کے اختلاط و آمیزش سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی اور اس کو اردو کہا جاتا ہے۔ یہ زبان بتدریج ترقی کرتی رہی یہاں تک کہ شاہجہاں کے زمانہ میں یہ فصاحت وبلاغت کے اچھے معیار پر پہونچ گئی۔ ابتداء میں دہلی اور اس کے اطراف کے لوگوں کا میلان فارسی شاعری کی طرف تھا اور اردو شاعری میں شعر گوئی کا رجحان نہیں تھا۔ بیجاپور کے ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی اور ہندی زبان سے بہت گہرا تعلق تھا، اور اس نے ہندی زبان میں کچھ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں، اس کے پاس اس کے زمانہ کے علوم ومعارف کا بڑا حصہ جمع ہوگیا تھا، اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، یہ حالت ابراہیم عادل شاہ کے لڑکے محمد عادل شاہ اور پھر ان کے لڑکے علی عادل شاہ کے زمانہ تک قائم رہی، علی عادل شاہ کو اردو زبان سے بڑی دلچسپی تھی، اس لئے اس کے زمانہ میں لوگ اس زبان کی طرف زیادہ مائل ہوئے اور اس زبان میں اشعار کہنا شروع کیا"۔

اور محمد حسین آزاد "آب حیات" میں اردو کی ابتدائی تاریخ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ادھر تو یہ چونچال لڑکا (اردو) شعراء کے جلسوں میں اور امراء کے درباروں میں اپنی بچپنی کی شوخیوں سے سب کے دل بہلا رہا تھا، ادھر دانائے فرنگ جو کلکتہ میں فورٹ ولیم کے قلعہ پر دوربین لگائے بیٹھا تھا، اس نے دیکھا، نظر باز تاڑ گیا کہ لڑکا ہونہار ہے، مگر تربیت چاہتا ہے۔ تجویز ہوئی کہ جس ملک پر حکمرانی کرتے ہیں اس کی زبان سیکھنی واجب ہے، چنانچہ ۱۷۹۹ء (۱۲۱۴ھ) میں میر شیر علی افسوس نے باغ اردو اور ۱۸۰۵ء (۱۲۲۰ھ) میں آرائش محفل لکھی، میر امن دہلوی نے ۱۸۰۲ء (۱۲۱۷ھ) میں باغ وبہار آراستہ کیا، اور انہی دنوں میں اخلاق محسنی کا ترجمہ لکھا۔ ساتھ ہی جان گلکرسٹ صاحب نے انگریزی میں قواعد اردو لکھی ..... اب عام فہم اردو ہو کر ناگری میں لکھی گئی، لیکن اس فقارۂ فخر کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا کہ میر انشاء اللہ خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے ۱۸۰۳ء (۱۲۲۲ھ) میں قواعد اردو لکھ کر ایجاد کی ٹہنی میں ظرافت کے پھول کھلائے۔"

آگے مزید لکھتے ہیں:

"عجیب لطف یہ ہے کہ زبان اردو کی عام فہمی دیکھ کر مذہب نے بھی اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا، یعنی ۱۸۰۷-۱۲۲۲ھ میں مولوی شاہ عبدالقادر

صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ اردو میں، بعد اس کے مولوی اسماعیل صاحب نے بھی بعض رسالے عام اہل اسلام کی فہمائش کے لئے اردو میں لکھے"۔

"۱۸۳۵ء سے دفاتر سرکاری بھی اردو ہونے شروع ہوئے، چند سال کے بعد کل دفتروں میں اردو زبان ہوگئی۔ اسی سنہ میں اخباروں کو آزادی حاصل ہوئی، ۱۸۳۶ء میں اردو کا اخبار دلی میں جاری ہوا اور یہ اس زبان میں پہلا اخبار تھا..... اور ۱۸۴۲ء سے دلی میں سوسائٹی قائم ہوکر ترجمے ہونے لگے۔"

(آب حیات صفحہ ۲۴-۲۵)

محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں:

"ان کی (یعنی مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی) اہم ترین کتاب تقویۃ الایمان ہے، جو انہوں نے اردو زبان میں اس وقت لکھی جب اس زبان کو ابھی گھٹنوں چلنا نہیں آتا تھا، حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب اردو نثر میں گنتی کی کتابیں تھیں ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا ہے، اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے"۔

(موج کوثر صفحہ ۳۸)

اردو زبان کا تخم پہلے اسلامی لشکر کی زمین میں بویا گیا، پھر اس کی نشو ونما دہلی اور دکن کے اسلامی شاہی درباروں میں ہوئی، پھر اس کو رائج و عام فہم اور مقبول بنانے میں مصلحین امت، علمائے ربانیین اور ان کے شاگردوں اور مریدوں نے حصہ لیا، اور اسلامی موضوعات پر نثر و نظم کی اولین کتابیں اسی زبان میں لکھی گئیں۔

اردو انسائیکلوپیڈیا میں لفظ اردو کی تشریح میں تحریر ہے کہ ابتدائی کتابیں جو اردو زبان میں لکھی گئیں، ان میں معراج العاشقین، شرح مرغوب المطلوب، شرح تمہید ہمدانی اور قرآن شریف کے ترجمے کی کتابیں ہیں۔

اردو نثر کی طرح اردو شاعری بھی اہل دل صوفیہ اور بزرگان دین کی گود میں پلی بڑھی، چنانچہ اردو شاعری پر امیر خسرو، مرزا مظہر جان جاناں کے اثرات سے تاریخ ادب اردو سے واقفیت رکھنے والا انکار نہیں کرسکتا، حکیم مومن خاں مومن اور خواجہ میر درد کا کلام بھی درد و سوز اور رقت و گداز کا شاہکار ہے۔ یہ دونوں حضرات علماء و صوفیہ اور بزرگان دین کے عقیدت مند وارادت کیش اور اسلامی جذبہ کے حامل شاعر تھے، خواجہ میر درد کئی کتابوں کے مصنف ہیں، اسرار الصلاۃ ان کا ایک رسالہ ہے جو پندرہ برس کے سن میں لکھا ہے، واردات درد نامی ایک دوسری کتاب ہے جس میں ایک سو گیارہ رسالے ہیں، نالۂ درد، آہ سرد، درد دل، سوز دل اور شمع محفل وغیرہ۔ اس کی شرح میں علم الکتاب جیسی کتاب تصنیف کی۔ ایک رسالہ مبحث غناء میں لکھا ہے، ایک دیوان فارسی میں ہے اور ایک ریختہ میں۔ یہ ساری کتابیں مطبوعہ ہیں۔ اور حکیم مومن خاں مومن جوانی میں سید احمد شہیدؒ کے مرید ہوئے اور آخر عمر تک عقائد میں انہی کے پیرو و متبع رہے، کلیات میں ایک مثنوی جہادیہ ہے جو اس وقت لکھی تھی جب سید صاحب سکھوں سے جہاد کررہے تھے، علاوہ اس کے دو قطعۂ تاریخ ان کی امامت کے ہیں۔ شوق شہادت پر ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

اور اگر ہم مختلف ادوار میں حرف شناسی اور مکتب کی تعلیم سے لیکر دراسات علیا تک کے نصاب تعلیم کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اردو زبان اسلامی زبان ہے، اس لئے کہ بچہ جب الف با پڑھنا شروع کرتا ہے تو سب سے پہلا لفظ جو وہ سیکھتا ہے لفظ اللہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنی کتاب میں پڑھتا ہے: الف سے اللہ۔ اسی طرح بچہ اپنی مادری زبان اردو کی تعلیم کے دوران اسلامی نظمیں، ترانے اور اسلامی اخلاق و کردار بھی سیکھتا ہے۔

نیز اردو کی وہ تمام تعبیرات و کلمات بھی جن سے غرور و طاقت، محبت و شفقت اور خیر و شر کا اظہار ہوتا ہے اسلامی الاصل ہیں، مثلاً تکبر کرنے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فرعون ہے، کثرت مال پر ناز کرنے والے کو قارون کہتے ہیں، اسی طرح کسی میں شرارت و خباثت کا غلبہ ہو تو اسے ابلیس اور شیطان کہتے ہیں، کوئی پیٹو اور زیادہ کھانے والا ہو تو کہتے ہیں اس کا پیٹ جہنم ہے، یا وہ شیطان کے پیٹ سے کھاتا ہے، بھوک کی شدت بتلانی ہو تو کہا جاتا ہے: آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں، اس طرح اردو پڑھنے والا اور اردو بولنے والا اسلامی فضا اور اسلامی ماحول میں پروان چڑھتا ہے۔ حد سے زیادہ لمبائی بتلانے کے لئے شیطان کی آنت سے تعبیر کیا جاتا ہے، کسی کے حسن کردار و خوبی اخلاق کی تعریف مقصود ہو تو کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتہ ہے، یا فرشتوں جیسا ہے یا اس کے اندر ملکوتی صفات پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح کچھ تعبیرات اسلامی ثقافت و کلچر سے تعلق رکھتی ہیں جنہیں مسلم اور غیر مسلم بھی استعمال کرتے ہیں، مثلاً ماشاء اللہ، سبحان اللہ، الحمدللہ، اور انشاء اللہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ جب زبان و ادب کا یہ مزاج ہو تو طبعی طور پر ادب کا رجحان بھی اسلامی ہوگا، اسی لئے اردو ادب میں فساد و بگاڑ اور اخلاقی انحراف کے عناصر کسی دوسری زبان کے مقابلہ میں کم پائے جاتے ہیں، اور اگر کسی دور میں اردو ادب میں انحراف آیا تو ایسے ادباء اس کے مقابلہ پر اترے جن کا اپنا ایک وزن تھا، اور ادب کی دنیا میں جن کا طوطی بولتا تھا۔ اردو ادب برابر اسلام، اسلامی شعائر اور اسلامی شخصیات کے ادب و احترام کی اس خصوصیت پر قائم رہا، یہاں تک کہ فکری

یلغار کا دور آیا اور اس میں مارکسی ادب کے غلبہ کے دور میں دین کے ساتھ استہزاء کا عنصر داخل ہوگیا، جب کہ خدا بیزار و ملحد بالشویک انقلاب کے نتیجہ میں ترقی پسند اور روشن خیال ادب وجود میں آیا، اور بعض نام نہاد مدعیان ادب مغربی ادباء کی گود میں جا گرے۔ لیکن یوروپین تہذیب کے اس سیل بے اماں اور طوفان تند و جولاں اور عام انسانی زندگی پر اس کے اثر انداز ہونے کے باوجود ادباء و شعراء نے اسلامی اقدار کے احترام کی ہمیشہ پاسداری کی اور شاعری کی مختلف اصناف میں اسلامی بلکہ عربی تعبیرات کا استعمال کرتے رہے، یہی حال نثر کا بھی تھا۔ علامہ شورش کاشمیری کا قسط وار ناول جو رسالہ "چٹان" لاہور میں شائع ہوا وہ اس پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے کہ اردو ادباء کی زندگیوں میں دین کا کتنا ادب و احترام پایا جاتا تھا۔

اردو ادب اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمت

اردو زبان و ادب کی طویل تاریخ میں ہمیں ایسے ادباء بھی ملتے ہیں جنہوں نے اپنے ادب و شعر کو دین اور ملت اسلامیہ کی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا، یہی وطیرہ دیگر اصناف کلام تاریخ و ناول لکھنے والے ادباء کا بھی رہا۔ انہوں نے ان اصناف میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال اسلام مخالف افکار و خیالات پر تنقید، اسلامی خصائص کو اجاگر کرنے، دلوں میں اسلامی غیرت ابھارنے اور اسلامی فکر پیدا کرنے اور اپنے کمزور پہلوؤں یا قابل عبرت جگہوں کی نشان دہی کرنے کے لئے کیا، قابل عبرت مواقع پر ان کے قلم کی طاقت میں اضافہ ہوجاتا ہے، ان کی طبیعت میں ابال پیدا ہوتا ہے، اور ان کا جذبہ چھلک چھلک پڑتا ہے۔ ان کے قلم میں وہ تاثیر پائی جاتی ہے جو کسی جنگی قائد میں ہوتی ہے، جو پورے لشکر کو موت کی تاریک وادیوں میں کود پڑنے پر آمادہ کرتا ہے، چنانچہ ادباء کے مضامین بھی اسی طرح پورے ماحول میں ایک آگ سی لگادیتے تھے، اور مسلم معاشرہ کو حرکت و عمل اور سختیاں برداشت کرنے پر آمادہ کردیتے تھے، جیسے شعراء کے اشعار دلوں میں اسلامی غیرت کی آگ بھڑکاتے تھے، اور مسلمانوں کو حرکت و عمل اور اصلاح احوال پر ابھارتے تھے، اور ان کے اندر اسلام اور اسلامی تاریخ پر اعتماد کو بحال کرتے تھے، اور دلوں میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی محبت اور مغربی تہذیب کی نفرت جاگزیں کرتے تھے، اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا ماتم کرتے تھے، جیسے خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، اکبر الہ آبادی، حفیظ جالندھری، شبلی نعمانی اور ظفر علی خاں وغیرہ۔ ان شعراء کے اشعار آج بھی برابر قلوب کو گرماتے ہیں، دلوں کو مہمیز لگاتے اور انہیں مست و بیخود بناتے ہیں، اور ان میں عزم و یقین پیدا کرتے ہیں، جو بھی اردو ادب کا جائزہ لے گا اس کے آئینہ میں مسلمانوں کی تاریخ کی جھلکیاں دیکھے گا، صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ پورے عالم کی تصویر اس میں نظر آئے گی۔ وہ دیکھے گا کہ اردو کے مسلمان ادیب اور مسلمان شاعر کا دل بے قرار و بے چین ہوجاتا ہے جب ایرانی، ترکی یا عربی شخص پر کوئی افتاد پڑتی ہے، گویا وہ اسے اپنا درد سمجھتا ہے، اور اس کی زبان ایسے موقع پر امت اسلامیہ کی زبان اور اس کی ترجمان بن جاتی ہے۔ اس حالت کی بہترین تصویر کشی اور اس امت پے یا عالمی اسلامی مزاج کی شاندار عکاسی علامہ شبلی نعمانی کے وہ اشعار کرتے ہیں جو انہوں نے برطانوی حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے جب کہ اس حکومت کے بعض وزراء نے یہ دعوی کیا تھا کہ برطانوی سیاست ہندوستانی مسلمانوں کے حق میں عادلانہ ہے تو پھر ہندوستانی مسلمان دوسرے ممالک میں پیش آنے والے واقعات سے کیوں دلچسپی لیتے اور ان پر واویلا مچاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم کو پاس ہے احساس مسلم کا
مگر اس کا اثر جو کچھ ہے بس ہندوستاں تک ہے
مگر ہم کیا کریں اس کو کہ عالمگیری ملت
عراق و فارس و نجد و حجاز و قیرواں تک ہے
منافق ہے جو کہتا ہے کہ "میں ٹرکی سے یکسو ہوں"
یہ وہ الفاظ ہیں جن کی جہانگیری زباں تک ہے
ہمارا جوش اسلامی انہیں باور نہیں کرتا
یہ انداز تغافل جلوہ گاہ امتحاں تک ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال اور ان کی بساط سیاست پلٹ جانے سے اردو ادباء و شعراء پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ مغلیہ حکومت کا دار السلطنت اخیر دور میں مراٹھہ، سکھ اور افغان قبائل کی ترک تازیوں کے نرغہ میں تھا، آخر دار السلطنت تاخت و تاراج ہوا، مسلمانوں کی عزتیں پامال کی گئیں، اور مکانات و محلات اور کوچہ و بازار لوٹے گئے، اور یہاں بھی وہ واقعات پیش آئے جو عباسی خلافت میں بصرہ اور بغداد میں پیش آئے تھے، اور جس طرح اُن واقعات نے عرب شعراء کے جذبات بھڑکائے تھے، اسی طرح ان واقعات نے اردو شعراء کے دلوں میں اشتعال پیدا کیا۔ اردو ادب کا طالب علم یہ سنگتا ہوا جذبہ اردو شاعر خواجہ میر درد کے کلام میں پاتا ہے جنہوں نے ان حادثات کو خون جگر سے بیان کیا ہے، اور یہ جذبہ ہمیں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے کلام میں ملتا ہے جو اردو کے اولین باکمال شعراء میں تھے۔ اسی طرح ان کی جھلک ہمیں شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں کی تحریروں میں ملتی ہے، اور یہ رسالے اور قصائد اپنے اندر ایک دائمی تاثیر رکھتے ہیں اور اسلامی حمیت پیدا کرتے ہیں۔ (جاری)

سیمینار اور سیاحت

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

راقم کاتب الحروف عمر کی اس منزل میں ہے جس میں سفر کی دشواریاں دشوارتر ہوجاتی ہیں، اور جو احباب میرے ذاتی حالات سے واقف ہیں کہ میں وہ شوریدہ بخت ہوں جس کو بستر مرگ بھی راس نہیں آیا، موت نے ایک بار نہیں کئی بار اپنی خشمگیں آنکھیں دکھلائیں، مگر ابتک اس کو ناکامی رہی اور سبھوں نے محسوس کیا کہ خالق موت وحیات نے اسکو اذن باریابی نہیں بخشی، پھر بھی شجر حیات ''شبے ماند شبے دیگر نمی ماند'' کا مصداق ہے، دل کے ایسے تقاضے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں نظر انداز کرنا آسان نہیں ہے یوں تو اللہ تعالی نے بلا استحقاق اپنے لطف وکرم سے زندگی کے اچھے دن دکھلائے، مکہ مکرمہ میں حرم پاک کا جوار، عافیت کی زندگی اور دل ودماغ کے سکون کے ساتھ اپنے ظرف کے مطابق لکھنے پڑھنے کا سلسلہ میسر ہے لیکن ندوہ آکر ذہنی آب وہوا تبدیل ہوجاتی ہے اور فکری غذا میسر آتی ہے، اس سال اسی معمول کے مطابق انتہائی آرام دہ انتظامات کے ساتھ لکھنؤ آیا، جدہ سے براہ راست بغیر توقف کے ہوائی سفر اور درجہ اولی کی آسانیاں، رفیق سفر کی ہمراہی بھی حاصل، وہاں رخصت کرنے والے اور یہاں استقبال کرنے والے اعزہ واحباب موجود، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک کمرہ سے نکل کر دوسرے کمرہ میں آگئے، میری عدم موجودگی میں یہاں جو دعوت نامے آئے ہوئے تھے، ان میں امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ پر ایک سیمینار میں شرکت کی دعوت تھی، مولانا سے مجھے انسیت وعقیدت دونوں رہی ہے، اس لئے وہاں حاضری کا ارادہ کرلیا لیکن جدہ سے لکھنؤ آنے میں وہ مشقت نہیں برداشت کرنا پڑی جو لکھنؤ سے دہلی بذریعہ ریل سفر کرنے میں پیش آئی، میں امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کا قائل تھا اور قائل ہوں، ان کی خدمات کا ہمیشہ معترف اور قدرداں رہا، ان کے فضل وکمال سے پوری طرح نہ سہی بعض گوشوں سے واقف ہوں، اس لئے اس سیمینار میں شرکت کا ارادہ کرلیا، اگرچہ شخصیات پر جو سیمینار ہوا کرتا ہے اس کو ایک موڈرن قسم کا عرس سمجھتا ہوں، سیمینار کا موضوع جو شخصیت ہوتی ہے، ان کی منقبت اس سے اظہار عقیدت اس کے کارناموں کو مختلف انداز سے بیان کرنا ان جلسوں کے موضوع ومقصد ہوا کرتا ہے، بہرحال اس اجتماع میں شرکت کی اور عزیزی مولوی محمد زبیر ندوی کی شخصی میزبانی اور محترم مولانا عمید الزماں قاسمی صدر تنظیم طلبہ قدیم دارالعلوم دیوبند کے نوازشات سے اور ان کے گرانقدر علمی تحفوں سے مستفید ہوا، اسی سلسلہ میں مولانا ممشاد علی قاسمی کی دعوت پر بلاسپور ضلع مظفر نگر حاضری ہوئی، مولانا ممشاد علی سے ہم لوگ اور وہ ہم لوگوں سے فکری رابطہ رکھتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ انہوں نے تنہا اپنے عمل پیہم سے ایک درسگاہ تعمیر کی ہے، اور علاقہ کے متعدد مدارس سے ربط وتعلق رکھتے ہیں، مدارس سے مجھے خود بھی دلچسپی ہے، ان کو میں اسلامی قلعے سمجھتا ہوں اور دینی لحاظ سے ان کی عزت میری نظر میں آکسفورڈ اور کیمبرج سے زیادہ ہے کہ یہاں صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ عقیدۂ توحید اور اتباع سنت کی پرورش بھی ہوتی ہے، یہ دینی دعوت کے مراکز ہیں، مولانا کی طرف سے دعوت بھی تھی اور میرے دل میں ان کی عزت بھی، اس لئے وہاں بھی جانے کی ہمت کرلی اور چار گھنٹوں کی مسافت ایک کار کے ذریعہ پوری کی، منزل پر پہونچ کر جو دیکھا اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، دل کو تقویت محسوس ہوئی اور بے اختیار زبان پر یہ مصرعہ آیا۔

عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آباد ست

وہاں سے مجھے سیدھے واپس آنا چاہئے، لیکن جب معلوم ہوا کہ ''پھلت'' قریب ہے اگرچہ وہاں کسی نے بلایا نہیں تھا لیکن دل کا تقاضہ تھا، تقاضہ ہی نہیں بلکہ ''ایک خلش پاتا ہوں رگ جاں کے قریب'' کا معاملہ تھا، مولانا محمد کلیم صدیقی جو ہمارے مخدوم ومربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ اور صاحب مبشرات ہیں، نیز ایک ایسا کام کررہے ہیں جسکی ضرورت اور اہمیت کو سب لوگ جانتے ہیں وہ مرتدین کو ارجاع الی الدین کی دعوت دے رہے ہیں اور بہت حدتک کامیاب ہیں، جن کو انقلاب اور شورش نے اسلام سے دور کردیا تھا یا وہ خوف زدہ ہوکر ایمان دے کر جان بچانے پر مجبور کردیئے گے تھے، ان کی درسگاہ اور ان کا کام میرے نزدیک قابل اہمیت ہے اور وہاں ایک کشش اور بھی تھی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے والد ماجد قدس اللہ سرہ کو جو خواب میں موئے مبارک عطا فرمائے گئے تھے اس کا ایک بال وہاں محفوظ ہے، اگر اسی کے لئے سفر کیا جاتا تو سودا مہنگا نہ ہوتا ممکن ہے کہ ہمارے وہ احباب جن کے عقیدۂ توحید کا حاشہ زیادہ بڑھا ہوا ہے وہ اس زیارت کے لئے شرعی جواز نہ پاتے ہوں مگر دنیا

چاہے جو کہے اگر یہ کمزوری ہے تو میں اپنی کمزوری چھپا نہیں سکتا اور بقول مولانا محمد علی جوہر:

عشق خود بدعت وسرمایہ صد بدعت ہے
رحم کر رحم کہ عاشق ترا مجبور ہے آج

اپنے آپ کو عاشق کہنا اس بے عملی اور معصیت کی زندگی جرأت کی بات ہے مگر یہاں کی حاضری طبیعت کے تقاضہ سے ہوئی تھی اگرچہ، ایک ناخواندہ مہمان تھا، مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب سے طبعی مناسبت بھی ہے اور مراسم مودت بھی، وخود موجود نہ تھے لیکن ان کے برادر عزیز محمد حلیم صدیقی صاحب سلمہ نے مہمان نوازی کی تمام روایتیں زندہ کردیں اور:

سیراب کردیا دل منت گزار کو

پھلت کے بعد میری دوسری منزل تھانہ بھون اور وہاں سے دیوبند اور دیوبند سے واپسی کا پروگرام تھا، میرے ساتھ جامعہ کے مہتمم مولانا محمد طاہر صاحب ندوی اور ''ارمغان'' کے اڈیٹر مولانا وصی سلیمان ندوی میری عافیت رسانی کے تمام ذرائع سے واقف اچھے رہبر ثابت ہوئے، مولانا طاہر اپنے پروقار انداز میں رفاقت کا حق ادا کررہے تھے اور مولانا وصی سلیمان تو ماشاء اللہ ہر لحظہ جوان ہی نہیں نوجوان، سرگرم، رہ ومنزل سے آشنا، گفتار وکردار دونوں کے غازی ساتھ ہولئے اور مولانا کلیم صدیقی کی ذاتی کار پر سفر شروع ہوا، مجھے دہلی میں معلوم ہوگیا تھا کہ وہاں سے تھانہ بھون اور دیوبند دور ہے مگر شوق کے آگے کوئی مسافت دور نہیں ہوتی، حضرت تھانویؒ کا زمانہ میں نے نہیں پایا، کیونکہ وہ میری بہت ہی نوعمری کا زمانہ تھا، جب وہ لکھنؤ آئے تھے، میں فرق ایں وآں سے واقف نہ تھا، پھر وہ زمانہ آیا جب میں نے ان کی تفسیر کا مطالعہ کیا، ان کے ترجمہ قرآن سے استفادہ نصیب ہوا، ان کے ملفوظات پڑھے تو ایک علی ترین، فکری معیار کا بلند ترین مینارہ نظر آیا، پھلت سے تھانہ بھون کا راستہ اور تھانہ بھون سے دیوبند کی سڑک بہت زیادہ ہموار نہیں ہے، میرا اندازہ تھا کہ ان مقامات پر مجھے کوئی جانتا نہیں دو چار افراد سے جو صاحب سلامت ہے ان میں تھانہ بھون میں سے کسی شخص سے میرے واقفیت نہیں تھی، غرض صرف یہ تھی کہ ذرا اس خاک کو دیکھوں جو زیر زمیں مطلع انوار ہے، اس مسجد کو دیکھوں جس کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ایک فرد اصلاح عالم کے نقشہ پر رنگ بھر رہا تھا، ذاتی طور پر عربی میں امیوطی کا قائل ہوں، یہ بات چاہے آپ کو پسند آئے یا نہ آئے لیکن یہ ایک حقیقت ہے، اسلامیات کا طالب علم اس شخص کی خدمات سے مستغنی نہیں ہوسکتا، حدیث، تفسیر، ادب، بلاغت، منطق، فلسفہ، علوم قرآن جس فن پر کچھ پڑھنا ہو سیوطی کے احسانات سے سر نہیں اٹھا سکتا ہے اردو میں یہی حال حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ہے، معاملات اور معاشرت کی اصلاح میں ان کے تجدد سے انکار نہیں کرسکتا، اسی چھوٹی سی مسجد کے ایک بہت معمولی خلوت میں بیٹھے ہوئے اللہ کے اس برگزیدہ بندے نے علاج درد دل کا وہ انتظام کیا جس کے سامنے خادمانہ طور پر نظام اسلام کی تسلیم شدہ عظیم ترین شخصیت بھی جھکنے پر مجبور ہوئی۔ میں نے یہاں حاضری کا ارادہ صرف حاضری کے غرض سے کیا تھا، مجھے یقین تھا کہ یہاں مجھ سے واقف شخص کوئی بھی نہ ہوگا، لیکن مدرسہ امدادیہ خانقاہ تھانہ بھون کے موجودہ ناظم ومہتمم مولانا انجم الحسن صاحب کو کسی نے اطلاع کردی تھی، انہوں نے ایک مسافر کا خیر مقدم کیا، مسجد کے تمام گوشوں کو دکھلایا، اور ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبرستان گئے، جہاں عمل وعقیدہ کے آفتاب وماہتاب مدفون ہیں ''قد واراہ الثراب وما تضمنہ الکتاب'' اپنے طریقہ کے مطابق قبلہ رو ہوکر اللہ تعالی سے ان کے انعامات اور جزائے خیر میں اضافہ کی دعائے خیر کی اور وہ آیات جن کا پڑھنا ان مواقع کیلئے میرا معمول ہے ان کو پڑھ کر واپس آگئے، مولانا انجم الحسن صاحب کے دولت کدہ پر حاضری ہوئی، پرتکلف اور متنوع لیکن سادہ اور پاکیزہ لکھنوی انداز کے کھانے سے ہم لوگوں کی ضیافت کی گئی وہاں سے رخصت ہوکر دیوبند کا رخ کیا، وہاں بھی کوئی وقتی مناسبت یا دعوت نہیں تھی، حضرت مدنی، ان کے شیخ، شیخ الہندؒ اور ایمان وہدایت کے آفتاب وماہتاب بزرگوں کی قبور پر فاتحہ پڑھی، دارالعلوم وقف اور دارالعلوم (رجسٹرڈ) دونوں کی پرشکوہ عمارتیں دیکھیں راستہ سے گزرتے ہوئے دورۂ حدیث کے مناظر دیکھے، اور احاطہ دارالعلوم سے باہر قسم قسم کے اشتہارات، دوکانیں اور نئے نئے اسکول واداروں کے سائن بورڈ دیکھے، قدیم مسجد بھی جاکر دیکھی اور نئی مسجد، پرشکوہ عمارتوں کے درمیاں اسی طرح تھی، جس طرح تصاویر میں دیکھی تھی، نظر آئی، یہاں کے مشائخ میں چند حضرات سے شناسائی ہے اور بعض شخصیات کا شہرہ بھی بارہا سن چکا ہوں، لیکن وقت کی تنگی کی بنا پر ملاقات کی ہمت نہیں کی، اور یوں بھی یہاں کے آداب محفل سے واقف نہیں تھا، اس لئے یہی ارادہ تھا کہ وہاں سے عصر کی نماز پڑھ کر واپسی کا سفر شروع کردوں گا، مگر ہمارے رفیق عزیز مولانا وصی سلیمان نے بتلایا کہ مولانا کلیم صدیقی جو کام کررہے ہیں اس کے ایک نمائندہ مولانا اسلم یہاں موجود ہیں، اور ان کی قیام گاہ ہم لوگوں کیلئے اپنا گھر ہے، لہذا چند منٹ یہاں آکر کمر سیدھی کرلیں، خوش قسمتی سے ایک عزیز طالب علم جو ندوہ سے عالمیت

پاس کرکے دیوبند میں دورہ پڑھ رہے ہیں، صہیب رومی ان کا نام ہے انہوں نے مجھے پہچان لیا اور درس چھوڑ کر ہمارے قافلہ میں شریک ہوگئے اور بعض اساتذہ کا نام لیا کہ وہ آپ کا برابر ذکر کرتے ہیں میں نے کہا جزاہم اللہ خیراً مگر ہمارے پاس نہ وقت ہے اور نہ صحت اجازت دیتی ہے کہ زیادہ چل سکوں، انہوں نے بتایا کہ حضرت علامہ انورشاہ کشمیری قدس سرہ کے صاحبزادہ مولانا انظرشاہ صاحب بالکل اسی گلی کے سامنے رہتے ہیں، میں نے کہا وہ جب اتنا قریب ہیں تو جاکر پوچھ لو کہ کیا ان کی خدمت میں سلام کرنے حاضر ہوسکتا ہوں؟ مولانا نے آمادگی کا اظہار فرمایا، شاہ صاحب نے بزرگانہ اخلاق اور لطف وکرم کا معاملہ فرمایا، ایک اجنبی مسافر کی عزت افزائی کی، اور میرے استحقاق سے زیادہ اکرام ومدارات سے پیش آئے، گفتگو قرآنی افادات پر مشتمل تھی اور میں نے بھی تبادلۂ تحیات ومجاملات کے بعد مولانا کشمیری دامت برکاتہم سے گفتگو شروع کی، مولانا کو کسی نے بتادیا تھا کہ میرا طالب علمانہ ذوق قرآن کریم سے وابستہ ہے۔ مولانا نے اس موضوع پر افادہ شروع کیا اور میں نے کوشش کی کہ استفادہ کے آداب وہ اس کو بجالاؤں۔ چلتے وقت حضرت موصوف نے اپنی تالیفات اور اپنے والد ماجد حضرت علامہ کشمیریؒ کی بعض تالیفات اور ان کی سوانح پر مشتمل چند کتب ورسائل عنایت فرمائے، اور ایسا محسوس ہوا کہ مولانا پہلے سے عاجز سے واقف تھے، وقت کی کمی کی بنا پر آپ کی خدمت میں کم بیٹھا، لیکن جتنی دیر بیٹھا استفادہ کرتا رہا اور وہاں سے اٹھا تو زبان پر یہ مصرعہ آیا:

تماشہ کامیاب آیا تمنا بے قرار آئی

حضرت انظرشاہ صاحب دامت برکاتہم سے مل کر ایسا محسوس ہوا کہ پورا دیوبند دیکھ لیا اور ان کی گفتگو میں نورانی شان پائی، یہ ہماری آخری منزل تھی اور وہاں سے رڑکی اور رڑکی سے لکھنؤ کا سفر جاری رہا، دونوں عزیز رفیقوں کو رخصت کیا، اور میرے رفیق سفر عزیز مولوی ولی حسن ندوی فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ساتھ صبح کو لکھنؤ پہونچ گئے۔

وللہ الحمد وباسمہ تتم الصالحات

وھوولی التوفیق۔☆☆☆

بقیہ مولانا منت اللہ رحمانیؒ

پوری طرح محسوس نہیں کیا جاسکتا، ان کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس عہد کے حالات پر نظر ڈالنے سے صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ ملک وقوم کی تعمیر اور تشکیل کا دور تھا، اور اہل وطن کے ذہنوں میں مسلم اقلیت کے ملی تحفظ وتشخص کے حق میں ہمدردانہ تصور نہ تھا، ایسے میں ہمارے اسلاف کی کوشش جن میں مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی فکرمندی وعمل کی سنجیدہ اور اتحاد واتفاق کی کوشش نمایاں رہی، ایک مشکل ترین کام انجام دینے کی حیثیت رکھتی ہے، ان محترم حضرات نے مسلمانوں کی متفرق قیادتوں کو امت کے اہم ترین مسئلہ یعنی ان کی شریعت کے تحفظ کے لئے آپس کے ایک اتحاد کی لڑی میں پرودیا، یہ ایک اہم کارنامہ ہے۔ دیکھنا ہے کہ اب ہم اس وحدت کی کتنی حفاظت کرتے ہیں۔

امت اسلامیہ ہندیہ پر جس کے لئے امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ نے اپنی زندگی کی توانائیاں صرف کیں اس کا حق ہے کہ ان کی یاد کو بھولنے نہ دے، اور اس کے لئے یہ مذاکرۂ علمی ان کا حق ادا کرنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ میں مبارکباد دیتا ہوں اس مذاکرۂ علمی کے ذمہ داروں کو کہ انہوں نے مولانا رحمہ اللہ کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے یہ مذاکرہ منعقد کیا اور اس طریقہ سے ان کے حق کو ادا کرنے کی قابل تعریف کوشش کی۔ ہم سیمینار کے منتظمین کی اس کوشش کو سراہتے ہیں، انہوں نے اس میں شرکت کرنے اور خطاب کرنے کی مجھ کو بھی دعوت دی، اس طرح مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ کی قدردانی میں مجھے بھی حصہ ملا۔ خاص طور پر مولانا عمید الزماں صاحب کیرانوی کا میں مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

مراجع وحواشی

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم صفحہ ۱۲۵ (۲) پرانے چراغ حصہ سوم صفحہ ۱۲۶ (۳) حضرت امیر شریعت نقوش وتأثرات، مضمون پروفیسر خلیق احمد نظامی، صفحہ ۲۵ (۴) حضرت امیر شریعت نقوش وتأثرات، مضمون پروفیسر خلیق احمد نظامی، صفحہ ۱۷ (۵) حضرت امیر شریعت نقوش وتأثرات، مضمون قاضی اطہر مبارکپوری، صفحہ ۱۱۵-۱۱۶

دعائے مغفرت

☆☆جناب قاری عبدالحمید صاحب مقیم دبئی کی والدہ ماجدہ کا گذشتہ دنوں اپنے وطن مالوف جرول میں انتقال ہوگیا۔ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے تدفین میں شرکت فرمائی اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

☆☆وزارت الاعلام مکہ مکرمہ سے وابستہ ایک ندوی فاضل جناب مولانا محمد ارشد اعظمی ندوی کی والدۂ ماجدہ بھی رحلت کرگئیں۔

قارئین کرام سے مرحومات کے لئے دعائے مغفرت اور بلندئ درجات کی دعاؤں کی استدعا ہے۔ (ادارہ)

رباعیات

پروفیسر طلحہ رضوی برق

پیغام عمل جو کر رہا تھا ارسال
دیکھا نہیں اس نے مرا حال اور قال
افسوس کبھی اس پہ توجہ ہی نہ کی
کیوں روٹھ گیا خاتموں سے اقبال

☆☆☆☆☆

میک اپ سے جو چہرہ تر و تازہ نکلا
عریانی و بے شرمی کا غازہ نکلا
ٹی وی نے سکھائی بے حیائی ایسی
تعلیم کا گھر گھر سے جنازہ نکلا

☆☆☆☆☆

صد حیف کہ اسلاف کی خوبو نہ رہی
عاصی کے لیے صدائے توبوا نہ رہی
سسٹر نے رٹایا بھی تو ٹوینکل ٹوینکل
الحمد پڑھا دیتی وہ بوبو نہ رہی

☆☆☆☆☆

ضد، جہل، حسد، بغض، عداوت، کینہ
دل سینے میں علتوں کا ہے گنجینہ
ہے اُنس عجب نظر کو تاریکی سے
گم کیوں نہ ہو پھر ترقیوں کا زینہ

☆☆☆☆☆

حق کہنے پہ یہ ظلم و ستم یہ بیداد
کثرت کا غرور، فکر باطل کا فساد
مظلوم حسین آج بھی ہیں ان میں گھرے
ہے شمر لعین ادھر، ادھر ابن زیاد

چیک، ٹی وی کلر، فرج، وی سی آر
سونے کی گھڑی، نقد ہو پنجاہ ہزار
ہے شرط یہ نوشاہ کی اور مہر عروس
کہتے ہیں فقط یازدہ صد وہ بھی ادھار

☆☆☆☆☆

کیا چاہتا ہے زیست کی ماری مرجائے
گھٹ کر یونہی بے نالہ و زاری مرجائے
وہ نمبری پیسوں سے یہ سامان جہیز
تو شادی میں لے، بہن کنواری مرجائے

☆☆☆☆☆

محفل میں کریں چھوٹے بزرگوں کو ذلیل
سمجھو اسے تم قرب قیامت کی دلیل
ماں باپ پہ بیوی کو ہو ترجیح اگر
اخلاق کے تابوت میں ہے آخری کیل

☆☆☆☆☆

ارواح بزرگاں کو نہ یوں شرماؤ
ہے پاک چڑھاوا کہ نجس سوچ کے کھاؤ
درگاہوں پہ یہ کافر و مشرک کا ہجوم
قبروں پہ مگر سجدے تو نہ کرواؤ

☆☆☆☆☆

آواز اگر دیں تو توقف نہ کرو
نقصان بھی کچھ ہو تو تاسف نہ کرو
جھڑکو نہ انھیں بچھا دو بازو جھک کے
ماں باپ کی خدمت میں کبھی اُف نہ کرو

بیا تا رکارِ این امت بسازیم

امت مسلمہ کامفاد

مل جل کر کام کرنے میں ہے

جناب مولانا شمس الحق ندوی

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے تمام باطل طاقتیں متحد ہیں، انسانوں اور انسانیت کی اس پناہ گاہ کو مسمار کرنے کے لیے طرح طرح کے ذرائع اپنائے جارہے ہیں، مستشرقین کا ایک مستقل محاذ ہے جو اسلام اور سیرت نبوی پر ایسے مضامین اور لٹریچر تیار کرتا رہتا ہے جس سے اسلام کی طرف سے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرے، ذرائع ابلاغ، مسلم ممالک میں خصوصا ایسی چیزوں کو پیش کرتے ہیں جن سے اخلاقی انارکی اور عیش کوشی کے لیے فضا ہموار ہو، یوروپ میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوانوں کو منصوبہ بند طریقہ پر ایسی تعلیم دی جارہی ہے جس سے اسلامی اخلاق وقدروں کی تحقیر واستحقاف کا جذبہ پیدا ہو اور تہذیب یوروپ اور وہاں کے طرز زندگی کو مفید و قابل تقلید سمجھیں، ان نوجوانوں کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت تربیت دے کر ان کے ملکوں کو واپس کرنا کہ وہاں وہ مغربی اقدار کے سفیر ووکیل کی حیثیت سے کام کریں۔

خود ہمارے ملک کے نظام تعلیم کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ ہماری جدید نسل جو کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم پارہی ہے وہ نہ صرف یہ کہ اپنی زبان وثقافت سے نابلد ہوتی جارہی ہے بلکہ وہ ان الفاظ وتعبیرات کو استعمال کرنے لگی ہے جو سراسر مشرکانہ یا ملحدانہ ہیں۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط، عیسائی مشنریوں کے زور وشور اور مغربی تہذیب کے غلغلہ کو دیکھ کر علماء اسلام نے یہ محسوس کیا کہ اس طوفان کا مقابلہ کرنے یا اپنے دین وعقیدہ کو محفوظ رکھنے کے لیے دینی مدارس قائم کیے جائیں جو اسلامی تعلیمات کا قلعہ ثابت ہوں، ہمارے علماء کی اس دور اندیشی اور مغربی تہذیب کے مقابلہ میں نبرد آزمائی نے ہندوستانی مسلمانوں کے اندر دین کی محبت، شریعت کا احترام اور اس کے راستہ میں قربانی کی طاقت اور مغربی تہذیب کے مقابلہ میں زبردست استقامت وصلابت پیدا کردی، علماء نے اسلامی ثقافت کی نشر واشاعت، سیرت نبوی کی تحریر وتدوین، اسلام کے کارناموں اور اس کی تعلیمات کو جدید علمی اور ادبی اسلوب میں پیش کرنے مین اہم کردار ادا کیا، جس سے ہندوستان کی اس وقت کی نسل کا اسلام پر اعتماد واعتقاد پختہ ہوا، اور وہ مستشرقین کے دجل وفریب سے متاثر نہ ہوئی۔

کل کی طرح آج بھی ہمارے علماء یورپ سے اٹھنے والے فتنوں کا جواب دے رہے ہیں پوری اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کوئی نیا فتنہ اٹھا جس سے اسلامی عقائد واقدار کو خطرہ لاحق ہوا علماء نے اس کا مقابلہ کیا اور پورے سوا چودہ سو سال گذر جانے کے باوجود اسلام اپنے صحیح خدوخال کے ساتھ موجود ہے زوال مسلمان حکومتوں کا ہوا ہے، مسلمان قوم پستی کی طرف گئی ہے لیکن اسلام ہزار آندھیوں اور طوفانوں کے باوجود زندہ ہے، علماء نے اس پر کوئی داغ دھبہ نہیں پڑنے دیا کیا امت مسلمہ پر علماء کا یہ احسان عظیم نہیں ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان، پیدا ہونے سے لے کر قبر میں اتارے جانے تک علماء ہی کی رہنمائی و پیشوائی کا محتاج ہوتا ہے چاہے وہ وزیر وبادشاہ ہو یا فقیر وغریب،

یہ ایک حقیقت ہے اس کا انکار کرنے والا ایسا ہے جیسے سورج کو کالی نکیہ سے تشبیہ دینے والا، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زمانہ کروٹیں بدلتا رہا ہے، حالات وزمانے کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں جس سے نئے نئے سوالات سامنے آتے ہیں، علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان حالات وتقاضوں سے باخبر رہیں تاکہ اسی کے مطابق اپنی امامت وپیشوائی کا حق ادا کرسکیں۔

یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ اس عالم کائنات کو اس کے خالق نے عالم اسباب بنایا ہے، لہذا انسانی ضرورتوں اور بشری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں، ان کا اپنانا بھی ضروری ہے تاکہ امت مسلمہ ایک باعزت قوم کی طرح زندگی گذار سکے، ایک بے پڑھا لکھا اور عام آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ زندگی کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے الگ الگ ذمہ داریاں ہیں مثلا غلہ، یہ انسانی زندگی کے بقا کے لیے ایک حتمی ضرورت ہے اس کے بغیر انسانوں کا زندہ رہنا دشوار ہے، لہذا انسانوں کا ایک طبقہ اس کام میں لگ کر انسانی کنبہ کی خدمت کرتا ہے لیکن کسان کو غلہ پیدا کرنے کے لیے ہل کی ضرورت ہے، یا آج کے ترقی یافتہ زمانہ میں ٹرکٹر کی ضرورت ہے، اب کسان سے ہی اس بات کا بھی

مطالبہ کیا جائے کہ وہی ہل اور ٹرکٹر بھی بنائے کوئی عقل کی بات ہوگی؟ درزی سے کہا جائے کہ وہ کپڑے بنے بھی، ڈرائیور سے کہا جائے کہ وہ کار بنائے بھی، پائلٹ سے کہا جائے کہ وہ ہوائی جہاز بھی تیار کیا کرے، کسی طرح بھی یہ عقل کی بات سمجھی جائے گی؟ ہر صاحب عقل یہی کہے گا کل فن رجال، ہر کام کے لیے الگ افراد ہیں، انسانی زندگی کی گاڑی اشتراک عمل سے چل رہی ہے اگر اشتراک عمل ختم ہوجائے گا تو انسانی زندگی بھی معطل ہوکر رہ جائے گی جب یہ بات تسلیم ہے کہ پائلٹ کے ذمہ جہاز بنانا نہیں ہے، کسان کے ذمہ ٹرکٹر بنانا نہیں ہے، ڈاکٹر کے ذمہ انجینئر کا کام نہیں ہے۔ فوج کے ذمہ ملک کے دفاع کا اہم کام ہے سیاست یا قانون سازی نہیں ہے، جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فقہا ومحدثین نہیں پیدا کئے جائیں گے بلکہ وہاں ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، اور ماہر قانون، کلرک اور دفتروں میں کام کرنے والے افراد تیار ہوں گے تو پھر مدارس کے ذمہ داروں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ محدث، مفسر، فقیہ، مضمون نگار ومصنف تیار کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر، انجینئر اور ماہر اقتصادیات بھی پیدا کریں، کہاں تک صحیح ہوگا ہمارے کچھ روشن خیال لوگ اپنے، ان مفروضوں پر علماء کا مذاق اڑاتے ہیں ان کا ذکر تحقیر و استخفاف کے ساتھ کرتے ہیں، علماء ہی سے خوشہ چینی کرکے ان کے محاسب واتالیق کا فرض انجام دینے لگتے ہیں خود تھوڑا کرکے بہت شور مچا کر اس کو زیادہ تصور کرتے ہیں، علماء خاموشی سے بہت کچھ کرکے امت کی بنیاد تھامے رہتے ہیں اس کو وہ مدارس کی چہار دیواری میں بند تصور کرتے ہیں، کچھ تھوڑا سا پڑھ کر وقتی جوش وجذبہ میں آکر خود کو قیادت وپیشوائی کے مقام پر فائز سمجھنے لگنا بڑا فریب نفس ہے کچھ تھوڑی سی شدبد پیدا کرلینے والا ہر شخص پیشوائی کے مقام پر نہیں پہنچ جاتا ایسا تصور خام خیالی ہے۔

جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

یہ طرز فکر بڑی کوتاہ اندیشی اور تنگ نظری کی بات ہے علماء امت کا دماغ ہیں دماغ سے ہاتھ کا کام نہیں لیا جاتا بلکہ دماغ ہاتھ کی رہنمائی کا کام کرتا ہے کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے وہ چمکتے ہوئے سانپ کو گلے کا ہار نہ بنالے دماغ پاؤں کو راہ بتاتا ہے کہ وہ کدھر چلے کدھر نہ چلے، اگر دماغ اور آنکھ کی رہنمائی نہ ہو تو پاؤں انسان کو کنویں میں گرادیں کھڈ میں گرادیں، آگ پر چلادیں،

اگر یہ حقیقت تسلیم ہے تو پھر یہ بھی مان لینا چاہئے کہ اس وقت زندگی کے جو جدید تقاضے ہیں جدید علوم وفنون ہیں جن کا حصول اور ان میں مہارت از بس ضروری ہے کہ ان کے بغیر امت مسلمہ دنیا کے دارالاسباب ہونے کی بنا پر دنیا کی قوموں میں سب سے پیچھے ہوجائے گی، بلکہ اس وقت ذلیل وخوار ہے، اس حقیقت کو تسلیم کرلینے کے بعد کیا یہ ضروری نہ تھا کہ جدیدہ علوم کی یونیورسٹیاں اور دانش گاہیں علوم جدیدہ کے ماہرین پیدا کرتیں ایسے کہ جو امتیاز واختصاص کا درجہ حاصل کرتے، اور سائنس کی دنیا میں ان کا بلند مقام ہوتا لیکن یہ ہوا نہیں اور اب علماء کو مطعون کیا جارہا ہے کہ انہوں نے ایسا کیا نہیں، اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے کے بجائے انہوں نے مغربی تہذیب کی نقالی ہی کو اپنی معراج سمجھا، علماء نے علوم جدیدہ میں ترقی کرنے سے کبھی روکا نہیں اور روکتے بھی کیسے کہ یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، ہاں علماء یہ ضرور کہتے ہیں کہ اسی کو سب کچھ نہ سمجھو اعتماد وبھروسہ خدا کی ذات پر رکھو، علماء مال ودولت کمانے سے بھی نہیں روکتے بلکہ اس سے دل لگانے سے منع کرتے ہیں جو مرد مومن کی شان کے خلاف ہے، علماء علوم جدیدہ کے حاصل کرنے والوں پر جو تنقید کرتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ ان علوم کے حاصل کرنے والوں نے شاید ہی کوئی اچھی مثال قائم کی ہو وہ خود تو صرف مغربی تہذیب کی نقالی اور اپنے مادی تقاضوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں اور علماء سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں علماء ہی کام کریں۔

علماء کا یہ امتیاز رہا ہے کہ علماء خود اپنی جماعت کا احتساب کرتے رہتے ہیں، علماء کے احتساب کا کام کسی اور جماعت کا اپنے ذمہ لینا نہایت مضر ہے اس سے علماء پر سے اعتماد اٹھے گا اور امت اس اپنی گئی گذری حالت میں بھی جس لڑی سے بندھی ہوئی ہے وہ بکھر کر رہ جائے گی، اس سے علماء اور جدید طبقہ میں ایسی خلیج پیدا ہوگی جس سے امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا، ملک کے موجودہ حالات ومسائل نے علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو مل کر کام کرنے کی جو فضا بنیادی ہے خدارا اس کو قائم رہنے دیجئے کسی سازش کا شکار نہ بنئے۔

اس وقت کے حالات اور خصوصا ہمارے ملک کے حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہمارے اپنے افراد تیار ہوں ہمارے ڈاکٹر وانجینئر ہوں، ہمارے ماہرین قانون اور وکلاء ہوں، ہمارے اپنے اسپتال وکالج ہوں، لڑکیوں کی تعلیم کا معقول انتظام بھی ہو، جدید تعلیم کا معیار بلند کرنے اور ہر فن میں اپنے افراد تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس طرح کے مومنانہ

شان پر آنچ نہ آنے پائے، جیسے ہواؤں کے نرم جھونکے کلیوں اور پھولوں کی بلائیں لیتے ہیں مگر ان جھونکوں کی عفت پر حرف نہیں آتا۔۔؟

چمن میں کس مزے سے چہچہاتی ہے غنچہ وگل کو
مگر بادصبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

یہ سارے کام اس طرح ہوں کہ چھاپ ان پر اسلام کی ہو، یہ انتظار و مطالبہ کہ یہ سارے کام بھی علماء ہی کریں بڑی ناسمجھی کہ بات ہے، امت مسلمہ کو عزت و سرخروئی اسی وقت حاصل ہوگی جب امت کے تمام طبقات اپنی اپنی ذمہ داریوں کا حق ادا کرنے کی فکر کریں گے۔ ان خطروں کو دیکھنا چاہئے جو امت مسلمہ کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ طنز وتعریض کی خو اچھی نہیں۔ طنز وتعریض کرنے سے قبل خوب غور کر لینا چاہئے کہ اس کی ضرب کہاں کہاں پڑ یگی کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر شعوری طور پر اس کی ضرب اپنے ہی ولی نعمت پر پڑ جائے۔ جو محرومی کا سبب بنے۔ مناسب ومفید بات یہ ہے کہ آپ جس صلاحیت کے مالک ہیں اس کو لے کر زندگی کے میدان میں اتریئے اور جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر گزرنے کے لئے اپنے محاذ پر پہنچ جایئے قوم کو اٹھانے اور اس کو اس کے کھوئے ہوئے مقام پر پہنچانے کا یہی طریقہ ہے کہ سب مل جل کر کام کریں اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق قوم کی خدمت انجام دیں، آیئے ہم سب مل کر امت کی بگڑی بنائیں اور زندگی کا کھیل جوش ونشاط سے بھرے ہوئے مردان کار کی طرح کھیلیں، علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

بیا تا کارایں امت بسازیم
قمار زندگی مردانہ بازیم

☆☆☆☆☆☆

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17234/86)

کے زیر اہتمام

جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد
اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

☆برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا

☆برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، (انڈیا)

☆اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔

☆غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔

منجانب:- حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ۔ (بانی وناظم اعلیٰ)

فون: 0091-755-2543466,2642715

قنوج کے قدیم مشہور ومعروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ

شمامۃ العنبر ☆عطر گلاب ☆روح خس ☆عطر موتیا ☆عطر گل ☆عطر کیوڑہ

☆اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔

ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں

محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر، قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر

(پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج فون: 234445

تاریخ وثقافت

تیموری شہزادوں کا شعری ذوق

جناب مولانا محمد احمد بیگ ندوی

تاریخ اسلام میں عہد عباسی کو گوناگوں حیثیتوں سے ایک امتیاز حاصل ہے یہی وہ عہد زریں ہے جب یونانی علوم وفنون کو عربی کا لازوال پیراہن عطا کیا گیا، ہارون رشید اور مامون کا زمانہ اس اعتبار سے قابل یادگار ہے کہ یہ دونوں خود بھی آسمان علم کے مہر وماہ تھے، لیکن ایشیا کی تاریخ میں برصغیر ہندوپاک اپنی زرخیزی وشیم انگیزی، شادابی وبہار آفرینی علوم وفنون کی ترقی میں عہد عباسی سے کم نہیں خاص طور سے تیموریوں کا عہد اپنی علم پروری وادب نوازی کی دنیا میں ایک تابناک تاریخ رکھتا ہے۔

بابر جو ہندوستان کے اندر سلطنت تیموریہ کا بانی ہے یہ صرف تلوار ہی کا دھنی نہیں بلکہ قلم وزبان کا بھی دھنی تھا، ادب وشاعری کے زمزمے اور نغمے اس کے ساز فطرت سے بکھر بکھر کر دلوں کو گرماتے تھے، اس نے اپنے فرزندوں کو علم وادب کے زیور سے آراستہ کیا ان کے گیسوئے حیات کو فکر وفن کی خوشبو سے مشکبار بنایا جس کی نکہت بیزی صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج تک ہمارے مشام جاں کو معطر کر رہی ہے اور ہماری ثقافتی قدروں کا ایک انمول حصہ ہے۔

بابر کی اولادوں میں ہمایوں کو چھوڑ کر شعر وادب اور علمی ذوق میں سب سے نمایاں نام مرزا کامران بخش کا آتا ہے، اس شہزادے کو شعر وادب کا بڑا اصاف ستھرا مذاق حاصل تھا، شعر گوئی میں بے نظیر تھا۔

سولہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے اندر اظہار خیال کا ذریعہ فارسی تھی، کاروبار حکومت فارسی زبان ہی میں ہوتا تھا، اس لئے مرزا کامران کی شعر وشاعری کے چمنستان میں فارسی ہی کے گل ولالہ تبسم ریزیاں کرتے ہوئے ہم کو دعوت نظارہ دے رہے ہیں اس شہزادے کا مطبوعہ دیوان بھی ہے جس کے اشعار کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ طباعی کی کہکشاں پوری جلوہ سامانی کے ساتھ ضیا گستری کر رہی ہے، معانی اور تخیلات کے اندر گوجدت کے غنچے کھلتے دکھائی نہیں دیتے تاہم طرز ادا کا بانکپن اپنا جوبن دکھا رہا ہے، شاعرانہ تخیل تغزل کا حسین پیکر لئے ہوئے دامن دل کو کھینچتا ہے اور اس کے مزاج کی آئینہ داری کرتا ہے اسی وجہ سے اس کا رنگ بہت شوخ ہے لیکن آہنگ اتنا ہی نرم ہے، رفتار میں تندی نہیں لیکن گفتار میں تابانی ہے لے دھیمی اور آنچ گرم ہے۔

نمونہ کلام

بارقیباں ہمدم و ہمراز دیدم یاررا
یارب آسان کن بمن ایں حالت دشواررا
وہ چہ باشد بے قراراں رادہد صبر وقرار
آنکہ می بخشد خرام آں سروخوش رفتاررا
در تکلم لعل اوزیناں کہ می ریزد گہر
چوں نگہ دارم زگریہ چشم گوہر بارراا

(۱) محبوب کو رقیبوں کے ساتھ ہمدم وہمراز دیکھ کر بجلی سی گر پڑی، خدایا تو اس جاں گسل صورت حال کو آسان کر دے۔

(۲) وہ ہستی کہ جس نے سروخوش رفتار کو سبک خرامی عطا کی، وہ کس دلنواز انداز سے بے قراروں کو صبر وقرار عطا کرتا ہے۔

(۳) گفتگو کے وقت اس کے سرخ گلابی ہونٹ موتی بکھیرتے ہیں اس کیفیت کو دیکھ کر میں چشم گوہر بار کو رونے سے کیسے روک سکتا ہوں۔

دوسری غزل کے یہ چند اشعار بھی لطف سے خالی نہیں۔

زینسانکہ جمال خود آراستہ می آئی
درزہد شکست آری درعشق بیفزائی
چوں چہرہ بیارائی رخسارہ برافروزی
خودگوئی کجا ماند آئین شکیبائی
گر سر بگریبانم درناظر خو بانم
درسینہ تو پنہانی دردیدہ تو پیدائی
ازصفحۂ رخسارت صد نکتہ بیاد آید
اے وائے ازاں روزے کاں رانبط آرائی

(۱) اس طرح تو اپنے حسن وجمال کے گیسوؤں کو سنوارتی ہوئی آتی ہے کہ تیرے آنے کا دلکش انداز زہد کے اندر شگاف پیدا کر دیتا ہے، اور عشق کو ہوا دیتا ہے۔

(۲) تو جب اپنے چہرے کو آراستہ کرتی ہے اور رخ زیبا کو دمکاتی ہے، خود ہی بتا کہ پھر کوئی تاب تحمل کہاں سے لائے۔

(۳) اگر سر گریبان میں ہوتا ہے تب بھی حسینوں کے جلوے میری آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں تیرا بہار حسن سینہ کے اندر ہے اور آنکھوں کے سامنے بھی۔

(۴) تیرے رخ روشن کو دیکھ کر مجھے حسن کے سیکڑوں نقطے یاد آجاتے ہیں افسوس ہے کہ تو اس رخسار کو خط سے آراستہ کرتی ہے: یعنی چہرے کا فطری حسن شمع حقیقت ہے غازہ کے ذریعہ سنوارنے کی تم

کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اقبال کا یہ شعر اس حقیقت کی بہترین ترجمانی کرتا ہے

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

مذکورہ اشعار سے شہزادہ کامران کے ذوق شعری کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، آہنگ میں دست صبا کی نرمی ہے اور رات کے آنے سے روئے عالم پر محبوب کی زلفوں کے آبشار گرنے کا حسین و دلفریب منظر فردوس نظر ہے۔

دیوان کامران کے مرتب پروفیسر محفوظ الحق رقمطراز ہیں کہ مرزا واقعی غزل گو ہے اس کے کلام میں صفائی اور سلاست کافی حد تک ہے گو خیالات میں کوئی ندرت نہیں اور نہ کلام میں چستگی معلوم ہوتی ہے لیکن طرز ادا قابل ستائش ہے، کلام برجستہ و بے تکلف اور نمکین ہے اور بعض اشعار میں تصوف کی چاشنی ہے۔

تخت و تاج کے حصول کے لئے مرزا کامران نے بھی قسمت آزمائی کی اور ہمایوں سے برسر پیکار ہوا لیکن آگ کے اس دریا میں زیادہ دور تک یہ چل نہ سکا بالآخر شکست و حزیمت کے طوفان نے اس کو اپنی آغوش میں چھپا لیا اور اس کی آنکھوں کی روشنی زائل کر دی گئی۔ فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں بھی اس کا عبرت ناک انجام دیکھنے آیا۔ ہمایوں جب اس کے پاس پہنچا تو کامران نے استقبال میں یہ اشعار پڑھے۔

زقدر و شوکت سلطان نگشت چیزے کم
ز التفات بہ مہمان سرائے دہقانی
کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید
کہ سایہ برسرش افگند چو تو سلطانی

(۱) سرائے دہقانی کے مہمان کی طرف التفات فرمانے سے بادشاہ کی شان و شوکت اور قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

(۲) درویش کے سر پر تیرے ایسے سلطان نے اپنا سایہ ڈالا جس کے سبب دھقان کی ٹوپی کا گوشہ آسمان پر پہنچ گیا۔

بصارت زائل ہونے کے بعد کامران کے لئے نگارخانۂ عالم میں کوئی دلچسپی کا سامان نہیں رہ گیا تھا اس لئے اس نے ہمایوں سے حج کی اجازت طلب کی اور اپنے بچوں کو ہمایوں کے حوالے کر کے اپنی بیوی جوجک بیگم کے ساتھ حج کے لئے چلا گیا اور زندگی کے بقیہ دن وہیں گذارے تین بار حج کی سعادت سے مشرف ہوا آخری بار جب حج کا فریضہ ادا کر رہا تھا کہ منی کے میدان میں ۱۱ رذی الحجہ ۹۶۴ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملا اور وہیں سپرد خاک کیا گیا۔

مرزا کامران کی اولاد نرینہ میں مرزا ابوالقاسم بھی باپ کی طرح علمی شغف اور شاعری کا پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ شوکی تخلص کرتا تھا ہفت اقلیم کا مؤلف لکھتا ہے کہ مرزا ابوالقاسم ذہانت و فطانت میں اپنی مثال آپ تھا شعر گوئی کا رجحان رکھتا تھا سخن سنجی اس کے کمال کا زیور تھا اس کا تخلص شوکی تھا مزید وہ لکھتا ہے کہ اس کے دو شعر مجھے بہت پسند آئے۔

یار ہر شانہ کہ در زلف سمن سازدہ است
نشتر غم بدل غم زدہ ما زدہ است
فضا بگشتن من ایں قدر شتاب مکن
بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن

(۱) جب یار نگاہی سے اپنی زلفوں کو سنوارتا ہے تو غم کا نشتر وہ ہمارے غمزدہ دل پر چلاتا ہے۔

(۲) اے فضائے بیکراں مجھے موت کی آغوش میں سلانے کی تجھے اس قدر جلدی کیوں ہے میں تو خود ہی تیرے دست ستم کے لئے چشم براہ ہوں، اضطراب سے کام نہ لے۔

اس کا کوئی دیوان اب تک منظر عام پر نہیں آیا ہے البتہ تذکرے کی کتابوں میں جو اشعار پائے جاتے ہیں انہیں کو پیش نظر رکھ کر تذکرہ نگاروں نے اس کے جوہر کمال کا اعتراف کیا ہے اور اس کی شعر گوئی کی تعریف و تحسین کی ہے افسوس کہ اس باکمال کو اپنے جوہروں کو نمایا کرنے کا موقع نہ مل سکا اور حوادث دھر کی نظروں سے محفوظ نہیں رہ سکا اور اسیری کا تلخ جام اسے پینا پڑا اور اسی اسیری کے دوران فرشتہ کے بیان کے مطابق گوالیار کے قلعہ میں اکبر کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا فرشتہ لکھتا ہے کہ قتل کے وقت اس کی زبان پر یہ شعر تھا۔

فلک بگشتن من اس قدر شتاب مکن
بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن

ہفت اقلیم کے مولف نے بھی اس شعر کو نقل کیا ہے مگر اس نے فلک کے بجائے فضا کا لفظ نقل کیا ہے شعر کا ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔

اکبر صغر سنی میں باپ کے سایہ سے محروم ہو جانے اور کاروبار سلطنت سنبھالنے کی وجہ سے علوم و فنون کے سرچشموں سے سیراب نہ ہو سکا مگر اس نے اپنے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی چنانچہ اس کے تین فرزندوں سلیم، دانیال اور مراد میں سے دانیال ایسا باکمال ہوا ہے کہ اس کے کمال کی بہار شمائل سے تذکرے کی کتابیں معمور ہیں۔

شہزادہ دانیال زندگی بھر پرورش لوح و قلم کرتا رہا اس کی علمی دلچسپیوں کا عالم یہ تھا کہ اصحاب کمال اور ارباب سخن ہمہ دم اس کی صحبت میں رہتے، اس کی زر پاشی کے نتیجہ میں اس دور میں شعر و ادب کا کارواں آگے بڑھا۔ اسکی ادب نوازی نے

شعر و ادب کے چمنستان کو موسم بہار کی طرح لالہ زار بنا دیا۔

جہاں گیر نے اپنی تزک میں شہزادہ دانیال کی شعر گوئی کا تذکرہ کر کے اس کے شاعرانہ کمال کا اعتراف کیا ہے بلکہ اس کی ہندی شاعری کے بارے میں وہ رقمطراز ہے: بہ نغمہ ہندی مائل بود، گاہے بزبان اہل ہند و باصطلاح ایشاں شعرے میں گفت بد نبودے، دانیال دونوں زبانوں کا قادر الکلام شاعر تھا

اکبر کے چھوٹے لڑکے شہزادہ مراد کو بھی فطرت کی طرف سے شعری ذوق عطا ہوا تھا اور اسی ذوق ہی کا نتیجہ تھا کہ نظیری جیسا بے نظیر شاعر اس کے دامن فیض سے وابستہ تھا، نظیری کو شہزادہ مراد سے والہانہ عشق تھا، اور مراد بھی نظیری کی قدر دانی و ہمت افزائی کا پورا پورا خیال رکھتا۔

یہاں بھی گلوں میں رنگ بھرے بادنو بہار چلے کا حسین سماں ہے ایک نظیری کو چھوڑئے کتنے نظیریوں کو تیموری شہزادوں نے بقائے دوام کی خلعت عطا کی۔ ان کے فکر و فن کو مہکنے اور چہکنے کے مواقع مہیا کئے یہ سب ان کی علم دوستی و ادب شناسی اور انسانی سماج میں شعر و ادب کی اہمیت کے سچے عرفان کی واضح دلیل ہے۔

شاہجہاں کے فرزندوں میں علمی اعتبار سے دارا شکوہ گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے، یہ کئی کتابوں کا مصنف ہے، اس کا طبعی میلان و رجحان تصوف کی طرف تھا چنانچہ اس کا پرتو اس کی تمام کتابوں میں جھلکتا ہوا نظر آتا ہے لیکن جس طرح وہ نثر پر ید طولیٰ رکھتا ہے اسی طرح وہ ایوان شاعری کو اپنے فکر و فن کے چراغ سے فروزاں کرتا دکھائی دیتا ہے، اس کی غزلوں میں تصوف کے شوخ نقوش جا بجا جھلملاتے نظر آتے ہیں، جسمانی تمناؤں کے بجائے روحانی ولولوں سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے، وہ تصوف ہی کی نگاہ سے ہر چیز کو دیکھتا ہے اور تصوف ہی کی زبان سے اس کو ادا بھی کرتا ہے، کہیں کہیں اس نے ایسا پیرایہ بیان اختیار کیا ہے جس کا حقیقی تصوف سے کوئی تعلق نہیں البتہ اس کے کلام کو دیکھ کر شاعری پر اس کی قدرت اور ہر طرح کی بات کو پیکر شاعری میں ڈھالنے پر دسترس کا اندازہ ہوتا ہے، یہ صاحب دیوان شاعر ہے۔

نمونہ کلام

ہر خم و پیچی کی شداز تاب زلف یار شد
دام شد زنجیر شد تسبیح شد زنار شد

جتنے خم و پیچ ہیں سب زلف یار کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ ہیں۔ دام، زنجیر، تسبیح، زنار ہر ایک میں زلف یار کا پرتو ہے۔

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود
چوں بزلف اور سید آخر پریشانی کشید

اس کی تصویر جمال میں نقاش کی فطرت سمٹ آئی ہے مگر جب اس کی زلفوں تک پہنچتی ہے تو وہ مزید الجھ جاتی ہے اس کے اندر شکنوں کی ایک نئی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔

عارف دل وجاں تو مزین سازد
خارے کہ بود پاش گلشن سازد
کامل ہمہ را زنقص بیروں آرد
یک شمع ہزار شمع روشن سازد

اے عارف تو جان و دل کو اسی طرح آراستہ کرتا ہے کہ جیسے خار پر اس کے قدموں کے پڑنے سے گلشن مسکرا اٹھے۔

جو کامل ہوتا ہے وہ سب کو نقص کی تاریکی سے باہر لے آتا ہے کامل اس قندیل فروزاں کی طرح ہوتا ہے کہ جس سے ہزاروں چراغ روشن ہوتے ہیں۔

شہزادہ دارا شکوہ کے فکر و تخیل کی فضا میں غزل کی رنگینی و سرمستی، کیف و سرور کا تموج بالکل نہیں، بس جو کچھ ہے وہ ہے تصوف کی حرارت و تپش کی سرد لہریں جو مذاق تصوف رکھنے والوں کو مخمور کر دیتی ہیں۔

لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ تغزل کی چشم نیم باز یا مژگان پر خون کا ادا شناس نہیں تھا، یا وہ ذوق نظارہ جمال کی دولت بے بہا سے محروم تھا، چشم غزالاں اور سمن بروں کی شیریں دہانی سے اس سے بڑھ کر واقف اور کون ہوگا، تذکرے کی کتابوں میں اس کی سخن فہمی کی حکایتیں سنہرے حرفوں میں لکھی ہوئی ہیں، سخن سنجی کا اعلیٰ مذاق ہی تھا جس نے اس کو رضی دانش کی ایک غزل پر بطور انعام ایک لاکھ روپے دینے پر ابھارا۔

اس شہزادے کی زندگی کشمکش کا ایک مرقع ہے، اسے تخت و تاج کی خاطر دارا کی خشک شہنی کو چومنا پڑا لیکن اپنے فکر و فن کے دلکش نقوش چھوڑ کر گیا، جو آج بھی اس کی علمی شیفتگی اور پاکیزہ شعری ذوق کی زندہ نشانی ہیں۔

اٹھارہویں صدی نے اقلیم سخن کے اندر اس طور پر قدم رکھا کہ اس کے دست حنائی میں ایک ایسا حسین تحفہ تھا جس کے جلووں سے سرزمین ہند جگمگا اٹھی، وہ تحفہ تھا عروس سخن اردو شعر و شاعری کا آٹھویں صدی ہجری ہی سے اگرچہ اردو میں شعر و شاعری کا آغاز ہو چکا تھا تاہم اس کی حیثیت کرمک شب کی طرح تھی دور عروج کی کہانی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ فارسی زبان نے اس نئے مہمان کی آمد کے تیور کا بڑی گہرائی و گیرائی کے ساتھ مشاہدہ کیا تو اس کے دل نے اس کی اقبال مندی اور عروج کی گواہی دی اور اپنے دامن کو سمیٹنا شروع کر دیا،

فارسی زبان نے عزلت تو نہیں اختیار کی تاہم اس پر یہ احساس ضرور طاری ہو گیا کہ نئی لیلائے سخن کی نرگسی آنکھیں، گوہر بار مسکراہٹیں، اس کا پھٹتا ہوا جوبن نکھرتا ہوا رنگ گھٹا جیسی اس کی سیاہ زلفیں دلوں کو مخمور کر لیں گی، فارسی زبان کا یہ اندازہ غلط نہ نکلا کہ دیکھتے ہی دیکھتے قلعہ معلی دہلی کے در و بام اردو کے طرب انگیز سرود سے گونج اٹھے، تیموری شہزادے لہک لہک کر، جھوم جھوم کر سرمستی کے عالم میں اس کی زلفوں سے کھیلنے لگے، کبھی اسکی پیشانی کو چومتے، کبھی اس کی خمار آلود نگاہوں سے کیف و سرور کے جام و مینا تیار کرتے۔

چنانچہ تیموری شہزادوں میں جنہوں نے اردو زبان کے سایہ عنبر فشاں میں تمنائے وصال کے شیریں خواب دیکھے ان میں ممتاز اور نمایاں نام یہ ہیں مرزا سلیمان شکوہ، مرزا احسن بخت، مرزا غلام فخر الدین حشمت، مرزا محمد طالع قمر، مرزا غیاث الدین شرر، مرزا عالی بخت شاہ، مرزا علاء الدین آرزو، مرزا جہانگیر فرزند دوم اکبر شاہ ثانی، شاہزادہ مرزا دارا بخت عرف مرزا شبو شاگرد ملک الشعرا محمد ابراہیم ذوق دہلوی، مرزا سلیمان سپہر شکوہ، مرزا منجھلے فسوں جہاں دار شاہ عرف مرزا جواں بخت ولی عہد شاہ عالم ثانی۔

آخر الذکر شہزادے نے بڑا نام پیدا کیا، گلستان تیموری میں اس کے متعلق مذکور ہے کہ یہ ذی علم، علم دوست بذلہ سنج، ظریف شوخ طبع اور رنگین مزاج شہزادہ تھا دہلی میں بساط سیاست میں تغیر واقع ہونے کے بعد لکھنؤ کا قصد کیا یہاں اس وقت شاعری کا غلغلہ بلند تھا جہاں دار کو فن شعر سے عشق تھا باکمال شعراء کی قدر دانی اس کی سرشت میں شامل تھی: اس کا ایک قلمی دیوان بنام بیاض عنایت مرشد زادہ کمپنی کے کتب خانہ میں جو اس نے گورنر جنرل ہیسٹنگز کو عنایت کیا تھا انڈیا آفس لندن کی زینت ہے۔

دوسرا نہایت ناقص اور بدخط نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے جس کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر وحید قریشی کے بیش قیمت مقدمہ کے ساتھ مجلس ترقی ادب لاہور نے دیوان جہاں دار کے نام سے ۱۹۶۶ء میں شائع کیا ہے۔

طبقات شعرائے ہند میں کریم الدین جہاں دار کے بارے میں رقمطراز ہے کہ یہ شہزادہ فارسی زبان میں بھی سخن گوئی کرتا تھا مگر کریم الدین نے فارسی کلام درج نہیں کیا ہے البتہ اردو کلام سے اپنی کتاب کو زینت بخشی ہے۔

نمونۂ کلام:

تری جب سے الف کے پالے پڑے
ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے
وہاں تیری غیروں سے آنکھیں لڑیں
یہاں میری چھاتی پہ بھالے پڑے
پھرے ڈھونڈے پا برہنہ تجھے
یہاں تک کہ پاؤں میں چھالے پڑے
جہاں دار کس لالہ روسے ملا
ترے سینے پر داغ کالے پڑے

اس کا یہ شعر بھی خوب ہے:

خزاں میں جس نے نہ دیکھی بہار آ دیکھے
جگر کے داغوں سے اب تک لالہ زاروں میں

سارے شہزادوں کا نمونہ کلام باعث طوالت ہے جن شائقین ادب کو تفصیل درکار ہے وہ تذکرے کی ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں واقعات اظفری، طبقات الشعراء، از قدرۃ اللہ شوق، گلستان سخن، تذکرۂ ہندی، گلزار ابراہیم، گلشن بے خار، گلستان تیموری، بزم تیموری۔

تیموری شہزادوں کی تعداد کوئی کم نہیں ہے مگر میں نے انہیں کا تذکرہ کرنا مناسب خیال کیا ہے جن کے ذوق علم و ادب کی تابش اپنے اپنے عہدوں کو روشن کئے ہوئی تھی اور آج بھی وہ ادب کے شیدائیوں کے لئے جلوۂ صد رنگ اور کف گل فروش کی طرح باعث نزہت نظر ہے۔

☆☆☆☆☆☆

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44,Haji Building, S.V.Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Tel:3460220,3468708

۱۲ نمبر اور ۱۲x کی اسپیشل چائے استعمال کیجئے

ہوں اگر شہروں سے بَن پیارے تو شہرا چھے کہ بَن؟

دین کے ایک ''سہراب'' کے گاؤں کا ایک سفر

امین الدین شجاع الدین

حضرت مولانا سہراب علی صاحبؒ مجددی سلسلہ کے ایک صاحب دل مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ کے وہ معلم و مربی رہے۔ مولانا سہراب علی صاحبؒ اپنے دور کے باکمال بزرگ حضرت شاہ ہدایت علی صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے اور پھر انہیں کے ہو کر رہ گئے، آخری آرام گاہ جے پور ہی میں اپنے شیخ کے مزار کے احاطہ ہی میں ہے ان کا گاؤں بستی کے قریب واقع بھروٹیا بازار ہے جہاں گزشتہ دنوں حضرت شاہ صاحبؒ سے عقیدت ہی کھینچ کر لے گئی زیر نظر مضمون میں اس صاحب دل بزرگ کے حالات اور خدمات پر کچھ روشنی پڑتی ہے اور کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حالات کی نامساعدت کے باوجود ان اللہ والوں نے کیسا اور کتنا کام کیا۔ نیز سفر کی ہلکی پھلکی روداد بھی۔

——— (۱) ———

۱۹۴۶ء کا وہ پُر آشوب دور جس میں ایک طرف تو ہندوستان کی سرزمین مسلمانوں کے لئے تنگ کی جا رہی تھی اور اس ملک سے ان کے قدم اکھڑ رہے تھے لیکن دوسری طرف صاحب بصیرت علماء نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کی ڈھارس بندھا رہے تھے بلکہ اس کے ساتھ وہ اس بات کے لئے بھی فکر مند و کوشاں تھے کہ ان کی موجودہ نسلوں میں دین سے واقفیت اور دینی شعور کے لئے مدارس قائم کئے جائیں اور نسل نو کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کی جائے، اصل چیز تھی وہ چنگاری جو اشاعت دین اور اصلاح معاشرہ کے لئے ان کے سینوں میں موجود تھی البتہ یہ درست ہے کہ ان صاحب فراست علماء میں تقسیم ملک کے دور کے حالات کی سنگینی نے اس چنگاری کو شعلہ بنا دیا تھا! اس وقت کے مختلف میدانوں کے مختلف تقاضے تھے مثلاً ایک طرف ہمارے علماء آزادی کا پرچم لئے سر سے کفن باندھ کر جان ہتھیلی پر لے کر انگریزوں سے برسر پیکار تھے ان کی قربانیوں کی ایک تابناک تاریخ ہے گویا تقاضوں کے لحاظ سے مختلف محاذ تھے لیکن ایک محاذ جو بنیادی نوعیت کا حامل تھا، وہ ایمان کے تسلسل اور اس کے بقاء و تحفظ کے محاذ کا تھا، جو لوگ ۴۷ء کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ شدھی کرن کی تحریک چل رہی تھی اور مسلمانوں سے اعلانیہ کہا جا رہا تھا کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے دھرم کی طرف لوٹ آئیں اس لحاظ سے مسئلہ صرف مسلمانوں کی جان کا نہ تھا بلکہ ان کے ایمان کا بھی تھا۔

——— (۲) ———

اللہ رب العزت کے نزدیک دین، اسلام ہے واضح لفظوں میں ہے ان الدین عند اللہ الاسلام اللہ نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی اور اعلان فرما دیا: وانا لہ لحافظون پھر اللہ کے نبی جو خاتم النبیین ہیں، نے اس آیت کے نزول کے بعد جس میں دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا'' پھر آخر وہ کیا بات ہے کہ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں صحابہ کرامؓ کے مجمع سے اپنے پیغام اور اپنی دعوت سے متعلق فرمایا کہ جو حاضر ہے وہ غائب تک پہونچا دے۔

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مطابق دعوت دین کا تسلسل انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا اور ملت کی صفوں سے وہ علماء حق اٹھتے رہیں گے جو اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہونچاتے رہیں گے اس لئے کہ دین کی نعمت کے ساتھ اللہ نے ان علماء حق کو ایک اور نعمت بخشی ہے اور وہ نعمت ہے دین کے لئے کڑھن و تڑپ، درد و سوز، کرب و اضطراب! اللہ کے بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کا وہ جذبہ جو انہیں چین سے بیٹھنے نہ دے، ہر دم بے کل و بے قرار رکھے اور سچی بات یہ ہے کہ دنیا میں امت کے وجود کا جواز یہی ہے کہ وہ دعوت دین کا فریضہ انجام دیتی رہے، اصلاح معاشرہ کی فکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رہے، نیکیوں کا حکم دیتی رہے اور برائیوں سے روکتی رہے۔ شاید یہی وہ علماء ہیں جو زمین کا نمک ہیں۔

——— (۳) ———

یہ کام اگرچہ طبیعتوں پر بار گزرتا ہے لیکن اللہ جن کو دعوت دین کی توفیق بخشتا ہے وہ اس کو فریضہ سمجھتے ہیں اور اسی فریضہ کی انجام دہی میں انہیں وہ لطف آتا ہے جس کا اندازہ اس کام کو نہ کرنے والے کر ہی نہیں سکتے، کانٹوں کی سیج انہیں پھولوں کی سیج معلوم پڑتی ہے، ان پر برسائے جانے والے پتھران

کے لئے پھول کا کام کرتے ہیں اور انہیں فکر ہوتی ہے کہ یہ پتھر دل انسان کس طرح آبگینے ہو جائیں اس راہ کی صعوبتیں ان کے لئے راحتیں بن جاتی ہیں۔ اخلاص اور استقامت ان کے شہپر ہوتے ہیں جو ناسازگار فضا میں بھی انہیں پرواز کا حوصلہ دیتے ہیں، اور اگر اللہ کے کسی بندے نے ان کی بات یعنی حق کی اور دین کے بات سن لی تو ان کی دل کی کلی کھل اٹھتی ہے اور اگر ان کے کہنے سننے سے کوئی شخص دین کے چھوٹے سے چھوٹے کام پر بھی رضامند ہو گیا تو مانو انکی مراد بر آئی! اللہ کے لئے تو ضع اختیار کرنے والے اللہ کے یہ نیک و پاکباز بندے منت سماجت بھی کرتے ہیں، لوگ ان کو جھڑکتے بھی ہیں، ان کی اس دیوانگی پر ہنستے بھی ہیں مگر نالہ نیم شبی کے عادی یہ پاک باطن ان پر پیار کی شبنم چھڑکتے ہیں ان بندوں کو اپنی منزل کی دھن ہوتی ہے اور جن لوگوں کو منزل کی دھن ہوتی ہے وہ راہ کے روڑوں کی پرواہ نہیں کرتے نہ ہی راہ کی رنگینیاں ان کے لئے اپنے اندر کوئی کشش رکھتی ہیں وہ پیچھے مڑ کر دیکھا نہیں کرتے بلکہ دیوانہ وار آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

(۴)

ایسے ہی پاک دل و پاکباز علمائے ربانیین میں حضرت مولانا سہراب علی صاحبؒ بھی تھے بستی اور ڈومریا گنج سے کچھ آگے بھروٹیا نامی ایک چھوٹے سے دیہات کے باسی، مگر اللہ کو انہیں حق کا نہ صرف متلاشی بنانا تھا بلکہ انہیں حق کا داعی بھی ہونا تھا، اس لئے دینی ابتدائی تعلیم تو گھر پر حاصل کی اور پھر کانپور پٹکاپور آگئے یہاں پڑھا بھی اور پڑھایا بھی۔ حضرت قاری صدیق صاحبؒ ان کے شاگردوں میں رہے، دل میں دعوت کی لگن تھی چنانچہ مدرسہ کو خیر باد کہہ دیا اور دل کو دل بنانے کی فکر میں کسی صاحب دل کی طلب صادق لے کر نکل کھڑے ہوئے اللہ نیتوں کو دیکھتا ہے کانپور سے کسی طرح جے پور پہونچے اور اپنے وقت کے صاحب دل عالم ربانی حضرت شاہ ہدایت علی صاحب، جو مجددی سلسلہ کے ایک باکمال بزرگ تھے، کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے، مولانا سہراب علی صاحب حدیث وفقہ کے عالم تھے لیکن تزکیہ باطن کی طلب اور تڑپ نے انہیں بے کل کر رکھا تھا اپنے شیخ کے یہاں سلوک کے منازل طے کئے اس گنہ گار نے اس عالم باعمل کو ندوہ میں شاید ایک بار حضرت شاہ عبدالرحیم مجددیؒ کے ساتھ دیکھا تھا اس کے کئی برسوں بعد جن دنوں جامعۃ الہدایہ جانا ہوا تو میری بدنصیبی کہ حضرت شاہ سہراب علی صاحبؒ اپنے رب سے جا ملے تھے لیکن ایک بات جو اکثر مجھے یاد آتی ہے بلکہ اس سچی بات کی یاد دلاتی ہے کہ اللہ تعالی اپنے نیک وصالح اور مقبول بندوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں چنانچہ جے پور کے مہمان خانہ ہدایت مسجد میں دور دراز سے آنے والے شاہ صاحبؒ کے ارادت مندوں کو دیکھتا کہ وہ تھوڑی دیر بعد ہی ان کا نام سن کر آبدیدہ ہو جاتے اور ان کی طبیعتوں پر دیر تک تاثر رہتا اور ان کا چہرہ اس کی گواہی دیتا۔ اس طرح اللہ کی جانب سے لوگوں کے دلوں میں اپنے کسی پاکباز، پاک دل بندہ کے لئے محبت وعقیدت کے ان جذبات کے موجزن ہونے اور ان کا مشاہدہ کرنے کا پہلا اتفاق مجھے شاہ سہراب علی صاحبؒ کے متعلق جے پور میں ہی ہوا اور اس کے بعد دوسرا موقع تھا ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء ماہ، رمضان کا، جمعہ کا دن اور ندوہ کا ٹیلیفون!! یہی وہ سوگوار دن تھا جب حضرت مولانا علی میاںؒ اللہ میاں کو پیارے ہو گئے تھے ٹیلیفون پر راقم آثم ہی بیٹھا تھا، ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی، گلوگیر آواز، رندھی ہوئی آواز اور ڈرتے ڈرتے سہمتے سہمتے بس ایک نامکمل جملہ پوچھا جاتا "خبر سنی ہے....." اور پھر دل پر پتھر رکھ کر میں کہتا ہاں خبر صحیح ہے..... بعض حضرات جملہ بھی ادا نہ کر پاتے سسکیوں ہی کے دوران میں انہیں ملی اطلاع کی تصدیق کر دیتا۔

(۵)

عقیدت ومحبت اور محبوبیت ومقبولیت مجاہدوں اور ریاضتوں اور بے شمار قربانیوں کے بعد ملتی ہے حضرت شاہ سہراب علی صاحبؒ بھی ان راہوں سے گزرے تھے صبح سائیکل پر اور کبھی گھوڑے پر سوار ہو جاتے رات کی باسی روٹیاں ان کا زاد سفر ہوتیں اور وہ بھروٹیا دیہات کے کھیت کھلیانوں سے گزرتے ہوئے قرب وجوار کی بستیوں میں گھومتے ان افراد کی تلاش میں کہ جن کو وہ حق کی باتیں سنائیں اور جن کو خدا توفیق دے۔ اللہ نے دعا میں تاثیر رکھی تھی مجھے ان کے مریدوں کی نہ تو تعداد معلوم ہے اور نہ ہی ان سے کماحقہ واقفیت۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ فیصل ایوارڈ یافتہ ڈاکٹر علی احمد ندوی اور میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں، شاہ صاحبؒ کے نواسے اور ان کے جانشین مولانا خورشید احمد ہاشمی ندوی کی دعوت واصرار پر بھروٹیا کا سفر پیش آیا ایک طرف علالت، دوسری طرف مصروفیت پھر سفر کا نام سن کر ہی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے لیکن بات بھروٹیا کی تھی، حضرت شاہ سہراب علی صاحبؒ کے وطن مالوف کی تھی چنانچہ عقیدت و محبت، علالت ومصروفیت اور تکدر سب پر غالب آ کے رہی اور صبح سویرے لکھنؤ سے بستی، پھر ڈومریا گنج اور وہاں سے بھروٹیا بازار جانا ہوا۔

(۶)

ندوہ سے سفر میں مبین بھائی ساتھ تھے اس راہ

سے کچھ واقف اور راقم کے مزاج سے بھی کچھ آشنا۔ ہم مزاج شخص کا سفر میں ساتھ ہو جائے تو نفسیاتی طور پر تکان کا احساس کچھ کم محسوس ہوتا ہے پھر مبین بھائی کا کیا کہنا، ایک سفیر کے لئے مطلوبہ تمام تر خصوصیات ان میں موجود، تواضع، انکساری، جھڑک دیجئے تو کوئی اثر نہیں، ڈیل ڈول، رفتار وگفتار ہر لحاظ سے منفرد، ان کی بات کا سرا کوئی ڈھونڈنا چاہے تو اس کا سرا تو نہ ملے لیکن ان کی بات میں بھی سُر کا لطف ہے اللہ رے تری شان کہ تو نے کیسی کیسی مخلوق پیدا کی اور شاطر انسانوں کے بیچ بھولے بھالے انسانوں کی تخلیق سے نبی نوع انساں کی بستی کو بھی مجموعہ اضداد بنا دیا اودھ آسام ایکسپرس میں سوار ہوئے بستی اسٹیشن پر اترنا ہوا وہاں سے ڈومریا گنج جانا تھا، ٹاٹا سومو میں مسافر سوار کیا ہو رہے تھے بلکہ سچ پوچھئے تو ٹھونسے جا رہے تھے اور ھل من مزید کا منظر تھا معلوم نہیں یہ آسمان کو چھوتی مہنگائی کا اثر تھا یا حرص کی کارفرمائی تھی بہر حال خدا خدا کر کے سٹ کر اور سکڑ کر کسی طرح ڈومریا گنج پہونچے، وہاں کچھ دیر ایک جامع مسجد میں عصر تا مغرب بھروٹیا جانے کے انتظار میں رہے اس دوران ان مولویوں کی آمد شروع ہوئی جنہیں بھروٹیا کے جلسہ میں شریک ہونا تھا ان میں سن رسیدہ بھی تھے اور نوعمر بھی مگر ایک خاص مسلک و مشرب کے ہی تھے، میرا نام ندوہ سے جڑا ہوا ہے اسلئے ان سے ناگوار جملے بھی سننے کو ملے جس پر افسوس تو ہوا ہی کہ ایک طرف واعظین کی تنگ نظری کا یہ حال اور دوسری طرف ملت کی یہ زبوں حالی!! اور اس پر طرہ یہ کہ ان کو دعویٰ اپنے مخلصین ہونے کا بھی اور مصلحین ہونے کا بھی!!

(۷)

بعد مغرب بذریعہ کار ہمارا کارواں بھروٹیا کی جانب چلا، ایسے موقع پر میری کوشش ہوتی ہے کہ گفتگو کرنے والا کوئی ساتھ نہ ہو تاکہ فطری اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتا چلوں یہ فطری مناظر بھی ایک کھلی کتاب کی طرح ہیں شام کا سماں ریوڑ اور گڈریا بھی اپنے اپنے ٹھکانہ کی جانب رواں دواں تھے۔ دیہات کا منظر مدت دراز بعد دیکھنے کو مل رہا تھا، مزدور یا تو پیدل یا سائیکل پر اپنے اپنے گھروں کا رخ کرتے دکھائی دے رہے تھے جیسے شام ہوتے ہی پرندے اپنے آشیانوں کا رخ کر رہے ہوں، کھیتوں کا سلسلہ، بجلی کی روشنی میں تاحد نگاہ کھیت کھلیان دکھائی دے رہے تھے گیہوں کی فصل تیار تھی معلوم ہوتا تھا گویا سنہری چادر کسی نے بچھا دی ہو اللہ کی شان اس کا ایک پاک نام المصور بھی تو ہے!! ہماری کار جس سڑک سے گزر رہی تھی اس کے دونوں طرف شیشم کے درختوں کی دور رویہ قطار تھی اور اس کے ہلکے رنگ کے نیلے نیلے پتے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ بظاہر سب پتوں کا رنگ ہرا لیکن وہ ہر اپن بھی ایکدوسرے سے جداگانہ! کسی کے پاس دیکھنے والی آنکھ ہو تو وہ قدرت کی کاریگری دیکھے اور اس کی حمد وثنا بجالائے!!

پختہ سڑک کا سلسلہ تمام ہوا اب کار کو کھیت کھلیانوں کے بیچ بنی کچی سڑک سے گزرنا تھا، ان ہچکولوں میں بھی ایک عجیب لطف تھا تھوڑی دیر کے لئے کار بیل گاڑی کا لطف دے رہی تھی، ڈرائیور سنبھل گیا تھا اور کمال ہوشیاری سے گاڑی چلا رہا تھا شام کی سیاہی کچھ گہری ہو چلی تھی اور بجلی ندارد تھی لیکن زیادہ دیر نہ لگی کہ دیکھا کہ کچھ دور پر جشن کا سماں ہے روشنی سے ایک علاقہ جگ مگ جگ مگ کر رہا ہے، رات کی تاریکی میں ایک جگنو چمک جائے تو جگنو اپنے وجود کا پتہ دے دیتا ہے یہاں تو ٹیوب لائٹس نے رات کو دن بنا دیا تھا۔ دیہاتی ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔ یہ مہمان دین کی نسبت سے آئے ہوئے مہمان تھے دیہاتیوں کا جوش وخروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، ان کا جھوم جھوم کر نعت پاک پڑھنا اور پھر مہمانوں کا استقبال! نام نہاد روایتی استقبال کی بجائے انداز میں سادگی لیکن ہزار پر کاری پر بھاری، تکلف وتصنع سے پاک لیکن ایک ایک ادا سے خلوص کا اظہار۔

(۸)

جلسہ شروع ہوا، وقار ومتانت کے ساتھ جلسہ جاری تھا کہ اچانک بھگدڑ مچ گئی یا اللہ ماجرا کیا ہے! معلوم ہوا کہ دیہات کے سارے لوگ تو جلسہ میں ہیں اس لئے ڈاکہ ڈالنے والوں کی بن آئی ہے مجمع تو تھوڑی دیر کے لئے بکھر گیا لیکن کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ افواہ تھی شر میں خیر کا پہلو نکل آیا اور پھر دیہاتی بیٹھے تو جم کر بیٹھے رات ڈھائی بجے تک جلسہ چلتا رہا۔

اب کچھ باتیں مقررین سے متعلق بھی ہو جائیں پیشہ ور مقررین کی تقریروں کا محور تقریباً ایک ہوتا ہے دو چار رٹی رٹائی تقریریں ہی ان کی کل کائنات ہوتی ہیں۔ قصے کہانی حمدیہ ونعتیہ اشعار لیکن کچھ قرآن وحدیث سے بھی مزین! تقریریں غیر مرتب، غیر مربوط، کاش کہ وہ تقریر سے پہلے اپنے ذہن کو اور اپنی فکر کو مرتب کر لیا کریں۔ تو عوام میں ایک پیغام جائے اور ان جلسوں کا کوئی اثر مرتب ہو۔ پھر ایک ایک مقرر کی 1:30، 1:30 گھنٹہ کی اکتا دینے والی تقریر جب کہ ہادی عالمؐ کے خطبوں کا عالم کیا ہوتا تھا مختصر مگر جامع اور دریا بکوزہ کے مصداق! سامعین میں تو جوش وجذبہ اور انہماک وتوجہ سے سننے کا مزاج لیکن واعظ کو اپنی شیریں بیانی یا اپنی شعلہ

بیانی سے سروکار اور اس کے اظہار کے لئے وہ فکرمند، پیشہ ور مقررین کے یہ دینی جلسے بھی ایک طرح کے مشاعرے ہو گئے ہیں، ویسے ہی داد وتحسین اور کام و دہن کی لذتوں کی فکر، آسائشیں، فرمائشیں اور ہدایاو نذرانے!! لیکن نتیجہ میں داعی میں پائی جانے والی روح سے عاری اور خالی!!

(۹)

کہاں شاہ سہراب علی صاحبؒ کی بظاہر باسی روٹی کی پوٹلی لیکن اس کے ساتھ دعوت دین واصلاح معاشرہ کی لگن وکڑھن کی قیمتی متاع! اور کہاں آج کا شعلہ بیان مقرر کہ وعظ کہنے کے لئے ہوائی جہاز کے سفر سے کم پر راضی نہ ہوا!! کہاں قاری صدیق صاحب باندوی کہ کبھی سائیکل کے اسٹینڈ پر، کبھی مورنگ کی گاڑی پر، کبھی ٹرک ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھے سفر کررہے ہیں لیکن دین کی فکر ساتھ ہے فرق یہ ہے کہ یہ ان کا مشن" تھا جو آج کے واعظین کا "پیشہ" ہے۔

(۱۰)

سفر میں راہزنی اور گھات گھراندی بھی دیکھی گزشتہ چند سالوں پہلے گھات گرانے کسی تباہی مچائی تھی بظاہر پختہ و محفوظ مکان اور اس میں عیش وعشرت کا سارا سامان مگر معلوم ہوا کہ دیکھتے دیکھتے محفوظ عمارت کو گھات گھرا کا بہاؤ بہائے لئے جارہا ہے اور مکان اور سامان تو کیا جان بھی محفوظ نہیں۔ عبرت کے واقعات روز پیش آتے ہیں لیکن انسان ہے بڑا نادان خود کو پہچانتا نہیں۔ اور واقعات سے عبرت پکڑتا نہیں! لوگ کہتے ہیں گھات گھرا پار رہنے والوں کی کچھ "خصوصیات" ہیں، اس سے تو انکار نہیں کہ مختلف علاقوں کے باسیوں کی مختلف خصوصیات ہوا کرتی ہیں لیکن ان کی نشاندہی کرنے کے لئے اورنگ زیبؒ کی نظر چاہیے البتہ تجربات ومشاہدات کی روشنی میں کچھ نہ کچھ رائے قائم کرنے کی گنجائش تو ہے ہی!!

(۱۱)

اودھ آسام ایکسپریس سے ہی واپسی ہوئی بستی اسٹیشن پر گاڑی کے آنے میں دیر تھی کہتے ہیں نیند تنخۂ دار پر بھی آجاتی ہے میں کئی راتوں کا جگا ہوا تھا، اسٹیشن پر بنے بنچ پر آنکھ لگ گئی وقت پر گاڑیوں کا نہ چلنا ہم ہندوستانیوں کے لئے کوئی نئی بات تو ہے نہیں بہرحال گاڑی آئی، سوار ہوئے ایک نابینا معذور کمپارٹمنٹ میں مونگ پھلیاں بیچ رہا تھا خواہش نہ ہوتے ہوئے بھی مونگ پھلیاں خریدیں ہمارے یہاں مہاراشٹر میں مونگ پھلی بیچنے والوں نے اسے "ٹائم پاس" کا نام دیا ہے ذہن زرخیز ہوتا ہے کوئی اسے "بادام بادام" کی صدا لگا کر بیچتا ہے، بہرحال مونگ پھلی بادام ہو یا نہ ہو البتہ "ٹائم پاس" کا اس کو بخشا گیا نام ہندوستانی ذہنیت کی عکاسی ضرور کرتا ہے کہ ایک عام ہندوستانی کے نزدیک وقت بے قیمت چیز جو ہے!! البتہ مونگ پھلی بیچنے والے اس نابینا کی حلال روزی کی فکر خودداری و عزت نفس نے متاثر کیا وہ ہاتھوں سے کمار ہا تھا، ہاتھوں کو کسی کے سامنے پھیلا نہیں رہا تھا !!

لکھنؤ جیسے جیسے قریب آتا جاتا تھا، جی چاہتا تھا کہ گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر ہو جائے لکھنؤ اسٹیشن پر اترا تو راحت کی سانس لی اور تنہائی میں دعا کی کہ یا اللہ چند گھنٹوں کے سفر میں گاڑی کے اپنی عارضی اور وقتی منزل تک پہونچ جانے کی کس قدر فکر تھی اور فکر نہیں ہے تو بس اس منزل کی جو آخری اور اصل منزل ہے اور جہاں کا عیش ہی اصل عیش ہے۔

لا عیش الا عیش الآخرہ

بن سے مماثلت رکھنے والے کھیت کھلیانوں کے ماحول سے جب شہر لکھنؤ میں قدم رکھا تو والی آسی مرحوم کا وہ جملہ یاد آگیا وہ کہا کرتے تھے کہ لکھنؤ اور کوفہ میں بڑی مماثلت ہے!! واللہ اعلم۔

ایک ضروری تصحیح

ٹائٹل پر علامہ اقبال کے شعر کو اس طرح پڑھیں۔

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

ٹائٹل پر کچھ سہو ہو گیا ہے، جس کے لئے ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

دعائے مغفرت

ندوہ کے ایک پرانے فاضل اور جامعہ سید احمد شہیدؒ، کٹولی کے استاذ محترم مولانا علی اکبر صاحب ندوی کا گذشتہ دنوں ان کے وطن میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم نہایت مشفق معلم ومربی تھے اور پاکیزہ شعری ذوق رکھتے تھے نیز ان کی وضع داری کو دیکھ کر پرانے ندویوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے عشق تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

Declaration of Ownership & Other Details

Form 4 Rule 8

Name of Paper :
Tameer-e-Hayaat
Place of Publication :
Lucknow
Periodicity of Publication :
Fortnightly
Editor :
Shamsul Haque Nadwi
Nationality :
Indian
Address :
Tagore Marg, Lucknow. U.P.
Printer & Publisher :
Athar Husain
Nationality :
Indian
Address :
21, Adnan Palli, Ringh Road, Dubagga, Kakori, Lucknow.
Ownership :
Majlis Sahafat wa Nashriyat Lucknow

I, Athar Husain, Printer / Publisher declare that the above information is correct to the best of my knowledge and belief.

رفتار زمانہ

مہذب دنیا میں جرائم کا گراف: ایک جائزہ

محمد اعظم ندوی جمشید پوری

جرم ایک اجتماعی مرض ہے، وہ مرض جو ہمیشہ سے معاشرہ کے لئے ایک سنگین خطرہ رہا ہے، اور ابتدائے آفرینش سے انسانی برادری کے ساتھ ساتھ لگا ہوا ہے، اس کے مختلف رنگ وروپ ہیں، وہ کل بھی تھا، آج بھی ہے، اور اس وقت تک باقی رہے گا جب تک انسان کے دل میں ہوا وہوس، حرص وطمع اور فسق و فجور جیسے امراض رہیں گے، اور جب تک شیطان نفس امارہ کو برائی پر آمادہ کرتا رہے گا۔

جرم ہمیشہ سے ملک وقوم اور معاشرۂ انسانی کو سنگین مشکلات سے دوچار کرتا رہا ہے، زمانے میں کتنے انقلابات آئے، صدیاں بیت گئیں، لیکن جرم آج بھی ہے اور روز افزوں ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام مقدس آسمانی شریعتوں فلاسفر ومفکرین، مصلحین وحکماء اور سلاطین نے اس کی روک تھام کے لئے بے شمار تدبیریں اختیار کیں تاکہ امن وامان اور سکون کی فضا عام ہو اور حق وعدل کا قیام ہو، آئین فوجداری اور قوانین تعزیرات کی بھی کمی نہیں لیکن کوئی بھی ملکی یا بین الاقوامی غیر اسلامی قانون جرائم کا سدباب نہ کر سکا، بلکہ جرائم کا تناسب روز بروز بڑھ رہا ہے۔

اقوام متحدہ کی جانب سے جرائم کی روک تھام اور جرائم پیشہ افراد کو لگام لگانے کے لئے اس کا دسواں سمینار منعقد ہوا جس میں اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کوفی عنان نے اس عنوان سے ایک رپورٹ پیش کی "جرائم کی صورتحال اور تعزیراتی عدالتیں" انھوں نے اس رپورٹ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ گلوبلائزیشن کے تصور سے جرائم مختلف نئی شکلوں میں رونما ہو رہے ہیں، تجارت، سرمایہ داری، مواصلات و خبر رسانی ہر میدان میں جرائم اتنے عام ہو چکے ہیں کہ وہ ملکی اور علاقائی حدود سے بڑھ کر عالمی سطح پر چھا گئے ہیں اور جرم انسان کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔

بطور خاص انھوں نے بین الاقوامی تنظیموں کی بڑھتی ہوئی ناجائز سرگرمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ منشیات کی تجارت، کمپیوٹرائزڈ انٹرنیٹ کا غلط استعمال، انسانی جانوں کی سودے بازی، بے ہودہ اخلاق باختہ ویب سائٹس جرائم کی ترقی یافتہ شکلیں اختیار کر چکی ہیں۔

اقوام متحدہ نے ۱۹۹۵ء اور ۲۰۰۰ء کے درمیان ہونے والے جرائم کے سروے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ عالمی سطح پر تمام جرائم کا تناسب بڑھ چکا ہے، خاص طور پر انسانی مظالم، تشدد اور منشیات کے جرائم میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۵ء کے درمیان جرائم کا جو تناسب تھا آج اس کا تناسب 11% بڑھ چکا ہے، بتایا جاتا ہے کہ ۴ر لاکھ جرائم روزانہ دنیا میں ہو رہے ہیں، گذشتہ ۳۰ رسالوں میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ۸ رگنا، برطانیہ میں ۷ رگنا، سابق سوویت یونین کی جمہوریات میں ۴ رگنا اور جاپان میں ۲ رگنا جرائم بڑھ چکے ہیں۔

امریکہ میں جرائم کے اعداد وشمار کے مطابق وہاں چوری ہر ۳ رسکنڈ پر ہوتی ہے اغوا ہر ۱۴ رسکنڈ پر، گاڑیوں کی چوری ہر ۲۵ رسکنڈ پر، ڈاکہ زنی ہر ۶۰ رسکنڈ پر، چھین جھپٹ ہر ۶ رسکنڈ پر اور قتل ہر ۳۱ رسکنڈ پر ہوتا ہے امریکہ میں جرائم کی روک تھام کے لئے ہونے والے اخراجات کا اندازہ اس طرح لگایا گیا ہے: زخمیوں کے علاج میں ۱۰۵ بلین ڈالر خرچ ہوتے ہیں، ۳۰۵ ڈالر معاوضے اور انشورنس میں خرچ ہوتے ہیں، ۱۲۰ بلین ڈالر پولیس محکمہ پر صرف ہوتے ہیں، ۳۵ بلین ڈالر قید خانوں پر صرف ہوتے ہیں اور صرف منشیات کے لئے ۱۴ بلین ڈالر کا لین دین ہوتا ہے۔

امریکی قید خانوں کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ۲۰۰۳ء کے درمیان امریکہ میں قیدیوں کی تعداد حیرت انگیز طور پر بڑھی ہے، ۲۰۰۳ء میں ۲۰۰۲ء کے مقابلہ میں ۲۰۳۷۰ قیدی زیادہ شمار کئے گئے ہیں، ۲۰۰۳ء میں ۶ر ملین ۹ لاکھ امریکی قیدیوں میں صرف خواتین کی تعداد ۱۰۱۱۷۹ بتائی گئی ہے، ۲۰۰۳ء میں امریکی قید خانوں میں تقریباً ۷ر ملین قیدی تھے یعنی ہر ۳۲ بالغ امریکی میں سے ایک قیدی تھا، جرائم کا گراف بتا رہا ہے کہ امریکی قیدیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوگا، ۱۹۸۰ء اور ۲۰۰۰ء کے درمیان قیدیوں کی تعداد میں اسی طرح اضافہ ہوا تھا، ۲۰۰۳ء تک اس میں کچھ کمی ہوئی تھی، اس کے بعد پھر تعداد بڑھ رہی ہے۔

برطانیہ میں NCADC نامی تنظیم نے ویب سائٹ (www.ncadc.org) پر ایک رپورٹ پیش کی ہے کہ دنیا کے مختلف گوشوں میں قید خانوں کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے قیدی ۳۰ فیصدی بڑھے ہوئے ہیں، قیدیوں میں خودکشی دن بدن بڑھ رہی ہے، قید خانے مجرموں کی اصلاح میں ناکام ہیں بلکہ قید خانے خود جرائم کے اڈے بن کر رہ گئے ہیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور دوسرے ممالک نے تیر وبندوق کی سزا تجدید کرنے کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا ہے، انھیں بدعنوانیوں کے خاتمہ میں قید خانوں کی ناکامی کا پورا یقین ہو چکا ہے، اب سیکورٹی انتظامات، جبری ملازمت جیسے دوسرے ذرائع اختیار کئے جارہے ہیں لیکن کوئی طریقہ کارگر نہیں، نہ جانے جرائم کی روک تھام میں ان کی یہ ناکامی انھیں کہاں پہنچائے گی؟

ع نہ خنجر ہی اٹھے گا نہ تلوار ان سے

(بشکریہ المجتمع)

(پہلی قسط)

رپورٹ ۲۲واں مذاکرۂ علمی عالمی رابطہ ادب اسلامی

(منعقدہ کلکتہ)

ترتیب وپیشکش: اقبال احمد ندوی غازیپوری

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر وممالک مشرقیہ کا ۲۲واں مذاکرۂ علمی "اردو زبان وادب کی تشکیل میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کا حصہ" کے موضوع پر مغربی بنگال کی راجدھانی کلکتہ میں مورخہ ۲-۳ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۲-۱۳ فروری ۲۰۰۵ء بروز سنیچر واتوار منعقد ہوا، اس کا انعقاد مدرسہ باب العلوم کلکتہ کے زیر اہتمام اس کے ناظم وروح رواں جناب قاری اسماعیل ظفر صاحب کی دعوت پر اور مشہور اسلامی اسکالر ومحقق جناب مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی صاحب کی زیر سرپرستی عمل میں آیا، سیمینار کے افتتاحی واختتامی اجلاس سمیت مقالات کی سبھی نشستیں حج ہاؤس (دلکشا اسٹریٹ) میں ہوئیں۔

اس مذاکرۂ علمی میں مقامی ادباء وشعراء کے علاوہ ہندوستان کی مختلف دانش گاہوں، اسلامی ودینی مدارس، علمی وتحقیقی مراکز اور عصری جامعات کے ذمہ داران، مختلف شعبہ جات کے صدور، پروفیسر حضرات اور اساتذۂ کرام نے شرکت کی۔

افتتاحی اجلاس:

خطبۂ استقبالیہ: ۱۳ فروری ۲۰۰۵ء بروز سنیچر صبح دس بجے صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی زیر صدارت سیمینار کا افتتاحی اجلاس حج ہاؤس (دلکشا اسٹریٹ) میں منعقد ہوا، تلاوت ونعت خوانی کے بعد مجلس استقبالیہ کے صدر جناب قاری اسماعیل ظفر صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے مندوبین اور مہمانان کرام کا استقبال کیا اور اردو زبان وادب سے مغربی بنگال کے رشتے پر تفصیل سے روشنی ڈالی، اور مدرسہ باب العلوم اور کلکتہ شہر کے علمی وتاریخی آثار کا تعارف کراتے ہوئے ان کی علمی وادبی خدمات بیان کیں۔

سکریٹری رپورٹ: اس کے بعد رابطہ ادب اسلامی کے سکریٹری جناب مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی کی طرف سے رابطہ ادب اسلامی کی رپورٹ پیش کی گئی، رپورٹ عربی میں تھی، اس کا اردو ترجمہ اقبال احمد ندوی غازیپوری نے کیا تھا جسے مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے پڑھ کر سنایا۔ رپورٹ میں ادب اسلامی سے متعلق تفصیلی بحث اور ادارہ کی کارکردگی پر روشنی ڈالی گئی۔ مولانا نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ رابطہ ادب اسلامی ایک عالمی تنظیم ہے جس کا بنیادی مقصد آرٹ واخلاق، مذہب وادب، فکر وخیال اور ان تمام شعبوں میں کام کرنے والوں کے مابین ربط وتعلق پیدا کرنا ہے، اس کا مقصد لطف اندوزی، ذہنی تعیش، سستی تفریح، رعنائی خیال، زور بیان اور خوبی عبارت تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد بہت بلند اور اعلیٰ وارفع ہے۔

مذاکرۂ علمی کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ مذاکرہ ایک ایسے اہم موضوع پر منعقد ہو رہا ہے جس کا زبانوں کے امتزاج اور ان کے درمیان باہمی رشتہ سے گہرا تعلق ہے جس کے نتیجہ میں مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں کے درمیان آپسی رشتے وجود میں آتے ہیں، نیز یہ مذاکرۂ علمی کلکتہ کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے جہاں مشرق ومغرب دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، اور یہاں کی فضا میں تہذیب جدید ایسی رچی بسی ہے جو دونوں تہذیبوں کی نمائندہ اور ترجمان بن گئی ہے۔ چنانچہ یہاں جدید عصری تعلیم گاہیں بھی ہیں اور قدیم اسلامی ودینی درسگاہیں بھی۔ یہ مختلف سیاسی، ادبی اور علمی تحریکوں اور اداروں کا مرکز بھی ہے اور یہیں وہ ذرائع ابلاغ واشاعت بھی وجود میں آئے جنہوں نے ہندستانی سیاست پر اپنے دوررس اثرات ڈالے، سیاسی زعماء وقائدین نے بھی اس سرزمین پر جنم لیا اور عالمی شہرت کے حامل مفکرین ومحققین بھی پیدا ہوئے، اور یہاں سے ایسے ادباء بھی ابھرے جنہوں نے پورے عالم سے اپنی صلاحیت وعظمت کا لوہا منوایا، اور ان کی تصنیفات اور علمی کاوشوں کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ نیز اس شہر کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ یہ رنگا رنگ وبوقلموں ثقافتوں اور مختلف تہذیبوں کا مرکز، متنوع علوم وفنون کی جولانگاہ اور روحانیت ومادیت کی حسین آماجگاہ بھی ہے۔

مولانا نے کلکتہ کی سرزمین سے موضوع کی مناسبت دکھلاتے ہوئے فرمایا کہ اس مذاکرہ کے لئے ہم نے جو موضوع منتخب کیا ہے وہ اس علاقہ کے مزاج اور تاریخ کے حسب حال اور بہت موزوں ہے، یعنی "اردو زبان وادب پر دوسری مقامی زبانوں کے اثرات" یہ موضوع جتنا اس علاقہ کے لئے موزوں ہے اتنا شاید کسی اور علاقہ کے لئے موزوں نہ ہوتا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ اپنی مقامی زبان "بنگالی" کے تئیں بہت حساس واقع ہوئے ہیں، اور یہ زبان بیش قیمت ادبی سرمایہ سے بھی مالا مال ہے، اس نے عالمی

شہرت کے حامل ادباء اور شعراء پیدا کئے ہیں، لیکن اپنی مقامی ومادری زبان سے محبت وتعلق کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کے سرمایہ میں اضافہ کرنے میں بھی اہل بنگال کا نمایاں حصہ ہے، خواہ وہ علم کی لائن سے ہو یا ادب وصحافت کی راہ سے ہو۔ چنانچہ اردو کا پہلا اخبار "جام جہاں نما" ۱۸۲۲ء میں یہیں کلکتہ سے شائع ہوا، پھر مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ ہی سے ۱۹۱۲ء میں اپنا "الہلال" پھر "البلاغ" جاری کیا۔ اردو صحافت کی بنیاد مستحکم اور مضبوط کرنے میں یہاں کے صحافیوں کا بڑا قابل قدر حصہ ہے، یہ چیز اس علاقہ کی ادبی اور لسانی رواداری کی عکاسی کرتی ہے۔

مولانا نے امید ظاہر کی کہ اس مذاکرۂ علمی سے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے مابین آپسی تعاون وروابط کا دائرہ وسیع کرنے اور ایک زبان کے دوسری زبان سے استفادہ کا دروازہ کھولنے میں مدد ملے گی۔

صدارتی خطاب: صدر جلسہ وصدر رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ اسلام کسی قومیت یا وطنیت کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ تو عالم انسانیت کی فلاح وہدایت کا سرچشمہ ہے، اسلامی ادب بھی اسی طرح زندگی کے تمام گوشوں کی نمائندگی اور ہر سماجی پہلو کی اصلاحی وتعمیری قدروں کی روشنی میں عکاسی کرتا ہے، اسلامی ادب کا دامن وسیع ترین ہے جو دنیا کے تمام موضوعات کو محیط ہے۔

انہوں نے عالمی رابطہ ادب اسلامی کی غرض وغایت سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ کوئی بھی برائیوں سے بچنے کی کوشش کر کے اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا تاوقتیکہ باطل کے خلاف حق سامنے نہ آئے۔ انہوں نے تفصیلی طور پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اور آپ مسلمان ہوتے ہوئے بھی مسلمان نہیں رہ سکتے کیونکہ میٹھا زہر ہمیں ہر طرح سے ناکارہ کر کے رکھ دے گا، لہٰذا ضرورت ہے کہ اس کے توڑ کی فکر کی جائے، اس کے بغیر مسلمانوں کا اسلام پر باقی رہنا مشکل ہے۔

انہوں نے رابطہ ادب اسلامی کی وجہ تاسیس اور اس کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ یورپ اور مغربی دنیا ادب اور میڈیا کے ذریعہ لوگوں کے رجحانات بگاڑنے، اپنے سانچے میں ڈھالنے، اخلاقی انارکی پیدا کرنے، مذہب کے ساتھ استہزاء اور اسلامی ومشرقی اقدار کو مٹانے کے لئے اپنے وسائل کا استعمال کر رہی ہے، جس کے نتیجہ میں انسانی قدروں کی جگہ حیوانیت کا فروغ ہو رہا ہے، یہاں تک کہ عربی ادب پر مغربی لٹریچر کا رنگ چڑھ چکا ہے، ایسے پُرخطر حالات کو بھانپتے ہوئے ہی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۸۴ء میں عالمی رابطہ ادب اسلامی جو ایک خالص ادبی تنظیم ہے، کی بنیاد ڈالی، جس کا مقصد ادب میں اسلامی تبلیغ لازم کرنا قطعاً نہیں، بلکہ اسلامی اقدار مخالف تحریروں کا توڑ کرنا ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی نے سیمینار کے موضوع "اردو زبان وادب کی تشکیل میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کا حصہ" پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ زبانیں مقامی تہذیب وثقافت، رجحانات یہاں تک کہ لوگوں کے ذوق اور مزاج سے بھی متاثر ہوتی ہیں۔

تاثرات: اس موقع پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری اور امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے سربراہ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے کہا کہ قوموں کی تعمیر وتخریب میں زبانوں کا بڑا عمل دخل رہا ہے، انہوں نے اردو کی تاریخ اور جنگ آزادی میں اس کے رول سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ اس زبان نے جہاں ملک وقوم کی بے پناہ خدمت کی وہیں اسلامی ادب کے فروغ میں بھی اہم رول ادا کیا۔ انہوں نے زور دیکر کہا کہ ادب اصل میں سلیقہ کا نام ہے، کلام کے سلیقہ کو کلام کا ادب کہتے ہیں، میڈیا کے ذریعہ تخریبی انقلاب اور خدا کے تصور اور آخرت کے نظریات کو ختم کر کے خود غرضی ومفاد پرستی کی فضا پیدا کرنے پر انہوں نے تنقید کی۔

نیز اس موقع پر جامعہ اسلامیہ گلزار حسینیہ اجراڑہ میرٹھ کے مہتمم جناب مولانا حکیم محمد عبد اللہ مغیثی صاحب، معروف محقق ودانشور جناب مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی صاحب اور اسلامی الفکر آزاد صحافی جناب سید علی صاحب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور انسانیت کی تعمیر وتشکیل میں صالح لٹریچر کی اہمیت پر روشنی ڈالی، نیز اردو زبان وادب پر مختلف علاقائی زبانوں کے اثرات کا ذکر کیا اور اس موضوع پر سیمینار کے انعقاد کو ایک اچھا قدم قرار دیا۔

شکریہ ودعا: اخیر میں مدرسہ باب العلوم کے مہتمم اور سیمینار کے منتظم جناب مولانا صباح اسماعیل ندوی (علیگ) نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور صدر جلسہ کی دعاء پر افتتاحی اجلاس ختم ہوا۔ (جاری)

آنکھوں کی جانچ اور چشموں کا ایک قابل اعتماد مرکز
چشمہ ساگر
ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے
Auto Refractor Meter AR-860
فوٹو کرانک ☆ کونپڈ لینس ☆ ہائی انڈیکس پریزی لینس
فینسی پاور اور دھوپ کے چشمے
ایک بار خدمت کا موقع دیں
آپریشن: اے رحمان (علیگ)
۲۱۲، معتبر گنج، اعظم گڑھ، فون 222008

روداد چمن

ندوہ کے شب و روز

(ادارہ)

☆☆ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقدہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی حیات وخدمات پر ہونے والے سیمینار میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء نے شرکت فرمائی اور اس سیمینار کا افتتاح بھی فرمایا حضرت مولانا کا مقالہ حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں منعقدہ اس سیمینار میں ملک کی اہم علمی وفکری شخصیات نے شرکت کی امیر شریعت حضرت مولانا نظام الدین صاحب، جناب مولانا ولی رحمانی صاحب، ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب، ڈاکٹر عبدالوہاب خلجی صاحب اور دیگر علماء ودانشوران بھی موجود تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ نے بھی اس سیمینار میں شرکت فرمائی۔ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بھی اس موضوع پر اپنا مقالہ سپرد قلم فرمایا۔

☆☆دہلی کے قیام کے دوران حضرت مولانا مدظلہ شیخ الحدیث جناب مولانا محمد یونس صاحب سہارنپور کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے نیز مرکز نظام الدین بھی تشریف لے گئے جہاں دعوت وتبلیغ سے وابستہ اکابر وافراد سے ملاقات کی۔

☆☆دہلی میں E.TV کے نمائندے کو مسلم پرسنل لاء بورڈ سے متعلق حضرت والا نے ایک انٹرویو دیا۔

☆☆بھوپال میں منعقد ہونے والے اجلاس پرسنل لاء بورڈ کا الحمدللہ بڑا شہرہ ہے۔ حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے استقبال کے لئے بھساول، کھنڈوہ اور بھوپال وغیرہ اسٹیشنوں پر بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ بھوپال اجلاسِ پرسنل لاء بورڈ کے مختلف امور سے متعلق صدر بورڈ کو ذمہ دارانِ اجلاس واہلیان بھوپال نے مطلع کیا۔

☆☆سفر ممبئی سے پہلے دہلی ہی میں دارالقضاء کے کام کو وسعت دینے کی غرض سے ایک میٹنگ جناب ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ آخر میں صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ نے مؤثر خطاب کیا اور انہیں کی دعاء پر میٹنگ اختتام پذیر ہوئی۔

☆☆حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے سفر ممبئی کے موقع پر ملت کے اہم علماء ودانشوران نے حضرت مولانا سے ملاقات کی۔ ان اہم شخصیات میں حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب بھی تھے جو باجود اپنی علالت کے ناگپور سے تشریف لائے تھے۔ اسی طرح پونا سے جناب انیس چشتی صاحب، جناب یوسف صدیقی، اورنگ آباد سے مولانا مجیب الدین صاحب قاسمی، مولانا عبدالقدیر مدنی، مولانا معزالدین ندوی اور بنگلور سے جناب ضیاء اللہ شریف صاحب کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

☆☆ممبئی میں حضرت والا سے امام جامع مسجد جناب مولانا شوکت صاحب مدظلہ، جناب مولانا حنیف صاحب، جناب قاری ولی اللہ صاحب، جناب حاجی عبدالکریم صاحب، جناب قاسم صاحب، ڈاکٹر داؤد صاحب، ڈاکٹر مقدم صاحب، مولانا شعیب کوٹی صاحب، مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فاروقی اور پونہ سے آئے ہوئے مولانا نظام الدین فخرالدین صاحب نے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

☆☆اس سفر ممبئی میں عالمی رابطہ ادب اسلامی شاخ ممبئی کی تاسیس عمل میں آئی جس کے کنوینر جناب پروفیسر انیس چشتی صاحب مقرر ہوئے نیز آفس انچارج کی ذمہ داری جناب عبدالرزاق صاحب ندوی کو تفویض کی گئی۔

☆☆جناب مولوی حبیب الرحمٰن ندوی کی دعوت پر حضرت مولانا ان کے مدرسہ تشریف لے گئے جو مدن پورہ کے علاقہ میں قائم ہے۔

☆☆جناب عبدالعزیز صاحب ماہم کی دعوت پر حضرت والا ملت اسکول، نیز ملت ڈائگنوسٹک سینٹر تشریف لے گئے اسلامی خدوخال پر اور پاکیزہ ماحول میں چلنے والے ملت اسکول نیز نپٹی نوعیت کے منفرد رفاہی ادارہ ملت ڈائگنوسٹک سینٹر کو دیکھ کر حضرت والا نے اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور ان دونوں اداروں کی کامیابی کے لئے دعاء فرمائی۔

☆☆ملت اسکول میں طلبہ وطالبات دونوں کی تعلیم کا نظم ہے ۲۵۰۰ طلبہ پنجم تک کے درجات میں زیر تعلیم ہیں جب کہ تین درجات میں ۱۳۰۰ طالبات زیور علم سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ یہ

ادارہ جوگیشوری میں قائم ہے۔

☆☆تھانہ میں واقع مدرسۃ الصالحات کی طرف سے تقاضہ تھا کہ حضرت مولانا مدظلہ وہاں تشریف لے چلیں لیکن حضرت والا کے حکم پر جناب مولانا محمود حسن حسنی ندوی استاذ مدرسہ ضیاء العلوم وریسرچ اسکالر دارعرفات، رائے بریلی مدرسہ کے ذمہ دار جناب حاجی مصطفیٰ خاں صاحب کے ہمراہ تشریف لے گئے جناب موصوف نے مدرسہ کا معائنہ فرمایا اور حضرت مولانا مدظلہ کو اس سے مطلع کیا۔

☆☆حضرت والا نے اپنے اس سفر ممبئی میں صحافت سے وابستہ افراد کو بھی شرف ملاقات بخشا۔ محترمہ عظمیٰ ناہید صاحبہ بھی اپنے شوہر نامدار کے ساتھ تشریف لائیں۔

☆☆جناب مولانا کلیم صدیقی صاحب بھی ممبئی میں حضرت والا سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے۔

☆☆ایک اہم تقریب جس کے تذکرہ کے بغیر یہ صفحہ نامکمل رہے گا کہ حضرت والا کا ایک سفر اسی اثناء میں ہریانہ کا بھی پیش آیا وہاں اصلاح معاشرہ کا ایک اہم جلسہ تھا اور جس کے میزبان اور داعی جناب مولانا پیر جی حسین صاحب مدظلہ العالی رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ تھے۔ پیر جی مدظلہ کی شخصیت ہریانہ اور اس کے اطراف کی ریاستوں میں نہایت مقبول وہر دلعزیز ہے اور جس میں ان کی تواضع، ملنساری اور خلیق طبیعت کو خاصہ دخل ہے۔ اصلاح معاشرہ کے ایک اہم جلسہ سے جو بوڑیا ہریانہ میں منعقد ہوا میں حضرت والا نے شرکت فرمائی۔ محترم پیر جی اصلاح معاشرہ کے کنوینر بھی ہیں نیز ہریانہ وقف بورڈ میں بھی کافی سرگرم وفعال اور فکرمند ہیں۔ اصلاح معاشرہ کے جلسہ میں مولانا عبداللہ صاحب حسنی اور جناب اسحٰق حسینی کی تقاریر ہوئیں اور اس کے بعد پیر جی محترم کی صاحبزادی، مولوی صادق ندوی سے منسوب ہوئیں اور نکاح حضرت والا نے پڑھایا۔ اسی کے بعد حضرت والا سہارنپور تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم اور مولانا عاقل صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں۔

☆☆اس سفر میں حضرت مولانا واضح رشید صاحب ندوی مدظلہ العالی ایڈیٹر الرائد وصدر شعبہ ادب عربی وصحافت حضرت والا کے شریک سفر رہے دیگر حضرات میں جناب حاجی عبدالرزاق صاحب، (خادم خاص حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء) جناب شاہد حسین صاحب، جناب محمود حسن حسنی صاحب استاذ مدرسہ ضیاء العلوم وریسرچ اسکالر دارعرفات وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

☆☆جس وقت یہ سطریں لکھی جارہی ہیں اس وقت حضرت والا مرادآباد میں ہونے والے دینی تعلیمی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں۔ امید ہے کہ سہارنپور میں بھی کسی تقریب میں حضرت والا شرکت فرمائیں گے۔ اور یہ سفر تقریباً ایک ہفتہ پر مشتمل ہوگا۔

☆☆حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ العالی کی ماشاء اللہ علمی تعلیمی نیز تصنیفی سرگرمیاں جاری ہیں اور الحمدللہ مولانائے موصوف سرگرمیوں میں شرکت فرما کر دین پسند وادب نواز حلقہ کی ہمت افزائی فرماتے ہیں۔

☆☆حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی مدظلہ نے گونڈہ میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا نیز خطبۂ جمعہ اور نماز جمعہ بھی پڑھائی۔

☆☆اس سے قبل گزشتہ دنوں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات اور شعبۂ عربی کے دو پروگراموں میں شرکت فرمائی جس میں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی بھی بہ نفس نفیس موجود تھے۔ وائس چانسلر کے ساتھ مسلم یونیورسٹی میں ایک عمارت کا سنگ بنیاد بھی رکھا نیز شعبۂ عربی کے ایک اہم علمی مذاکرہ میں کلیدی خطبہ بھی پیش فرمایا وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے اس پروگرام میں بھی شرکت فرمائی۔

☆☆الحمدللہ ندوہ میں ان دنوں امتحان کا ماحول قائم ہے اور ششماہی امتحان انشاء اللہ ۱۳ اپریل سے شروع ہوگا اور حسبا تعطیلات گرما تک تعلیم کا سلسلہ حسب معمول چلتا رہے گا۔

☆☆الحمدللہ سلیمانیہ ہاسٹل کی تکمیل کا سلسلہ اختتام کے قریب ہے اور ایک پرشکوہ صدر دروازہ کی تعمیر کا سلسلہ ان دنوں جاری ہے۔ سلیمانیہ کے روح رواں اور مربی جلیل جناب مولانا عبدالعزیز صاحب بھٹکلی ندوی کی سفر حج سے واپسی کے بعد سلیمانیہ کی رونق اور چہل پہل میں اضافہ ہوگیا ہے۔ تعلیمی وتربیتی نیز انتظامی امور میں موصوف کی خصوصی دلچسپی کی مؤثر ومفید کارفرمائی ہر جگہ محسوس کی جاسکتی ہے۔

وفیات

ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی، جامعہ ملیہ اسلامیہ

نامور مصری ادیب شوقی ضیف کے سانحۂ ارتحال سے

ہندوستان کی عربی فضا سوگوار

رابطہ ادب اسلامی کے جلسے میں ان کے ادبی، تنقیدی و تحقیقی کارناموں کی قدر شناسی

نئی دہلی ۲۵ر مارچ (پریس ریلیز)

عربی زبان کے بلند پایہ ادیب، نقاد، بسیار نویس مصنف قاہرہ یونیورسٹی کے سابق صدر شعبہ عربی، مصر کی عظیم الشان قومی اکیڈمی (مجمع اللغة العربية) کے ڈائرکٹر اور شاہ فیصل عالمی ادبی ایوارڈ سے سرفراز ۹۵ر سالہ پروفیسر ڈاکٹر شوقی ضیف کے انتقال پر ملال (مورخہ ۱۰ر مارچ ۲۰۰۵ء) سے جدید عربی کی تاریخ میں ایک خلاء پیدا ہوگیا ہے، تاہم ان کے کارنامے عربی زبان وادب کے اساتذہ وطلبہ کے لیے، ہمیشہ چراغ راہ رہیں گے۔ یہ تھے وہ الفاظ جو رابطۂ ادب اسلامی ہند کے صدر پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی نے شوقی ضیف سے متعلق ادبی وتعزیتی جلسے کے افتتاح کے موقع پر کہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شعبۂ عربی کے استاذ پروفیسر شفیق احمد خان ندوی نے اپنے مقالے میں مرحوم مصنف کی ۵۷ر کتابوں کا تذکرہ کیا، اوران کتابوں پر خصوصیت سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ پروفیسر ڈاکٹر شوقی ضیف صحیح معنوں میں معاصر عربی ادب کے میر کارواں تھے۔ ان کی مشہور کتاب "الأدب العربی المعاصر فی مصر" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر شمس کمال انجم کے قلم سے ابھی دو چار ہفتے پہلے ہی دہلی سے شائع ہوکر عام اردو داں طبقے اور عربی زبان وادب کے اساتذہ وطلبہ میں مقبول ہونا شروع ہی ہوا تھا کہ اس کے مصنف اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ضرورت ہے کہ ان کی دیگر اہم تصنیفات کے بھی اردو اور دوسری ہندوستانی زبانوں میں تراجم شائع کیے جائیں۔

عربی شاعری کے اصناف اور رجحانات پر شوقی ضیف کی مشہور کتاب "الفن ومذاهبه فی الشعر العربی" نثری اصناف اوران کے ادبی رجحانات "الفن ومذاهبه فی النثر العربی" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فتحائی شاعری پر مشتمل "الشعر الغنائی فی المدينة المنورة ومكة المكرمة" معاصر عربی شاعری کے تنقیدی مطالعے پر مشتمل "دراسات فی الشعر العربی المعاصر" امیر الشعراء شوقی کی شاعرانہ عظمت پر "شوقی شاعر العصر الحديث" اندلس کی عربی شاعری اور خصوصاً ابن زیدون کی شاعری پر تحقیقی اور تنقیدی مباحث پر مشتمل "ابن زيدون الشاعر الاندلسی" اسلام سے پہلے کی ادبی سرگرمیوں کے موضوع پر "تاريخ الأدب العربی فی العصر الجاهلی" اور ادبی تنقید کے اصول پر "فی النقد الأدبی" جیسی اہم کتابوں پر ان کے مصنف ڈاکٹر شوقی ضیف کی کامیاب کدوکاوش اور مہارت زبان وبیان پر جامعہ ملیہ، دہلی یونیورسٹی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے جن دیگر اساتذہ اور اسکالرز نے شریک مباحثہ ہوکر اظہار خیالات کیے ان میں ڈاکٹر نسیم اختر ندوی، ڈاکٹر عبد الماجد قاضی، ڈاکٹر محمد اسحاق، ڈاکٹر شفیع احمد ہاشم، ڈاکٹر محمد اکرم اور جناب سرفراز احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ آخر میں موصوم کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا کی گئی۔ (بشکریہ جناب اقبال احمد غازیپوری)

ممبئی کی مشہور و معروف مٹھائی ساز فرم

طہورا سوئیٹس

اسپیشل مٹھائیاں

❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ

مستورات کے لئے خاص بیسن لڈو۔
وغیرہ ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔

لذیذ مٹھائیوں کے لئے
طہورا سوئیٹس

بالاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
۲۳۰۸۲۷۷۳ ۲۳۰۹۱۳۱۸

آخری صفحہ

پیغمبر صحرا کو سرزمین ہی پتھریلی عطا کی گئی تھی

ضرورت مایوسی کی نہیں، حرارت ایمانی کی ہے

امین الدین شجاع الدین

ایک مجلس میں جناب مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی نے بڑی اچھی بات سنائی، کہ انہوں نے جب ایک نومسلم کو قبولیت اسلام پر مبارکباد پیش کی تو اس کا جواب بڑا حقیقت پسندانہ تھا، نومسلم نے کہا کہ آپ مجھے آخر کس چیز کی مبارکباد دے رہے ہیں، ہر بچہ تو دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس لئے صحیح تو یہ ہے کہ میں نے اسلام قبول نہیں کیا ہے بلکہ اپنے آپ کو دریافت (Discover) کیا ہے، یہ ہے وہ سچ جو اسلام کو درپیش صورت حال سے متعلق ہے نہ کہ وہ پروپیگنڈہ جو اسلام مخالف ہے کہ اسلام خطرہ میں ہے۔

اسلام سے وابستگی کی وقتی وعارضی آزمائشیں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں، تاریخ اسلام کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس راستہ میں "قدم قدم بلائیں" ہیں۔ انبیاء کی تاریخ ہی کو دیکھ لیجئے، ان کے لئے تبلیغ دین کے تئیں جن مختلف سرزمین کا انتخاب کیا گیا عموماً وہ نرم تھیں، لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سرزمین بخشی گئی وہ سخت تھی، پتھریلی تھی اس پر مستزاد یہ کہ وہاں کے مکینوں کے دل بھی نرم نہ تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر بھی کھائے لیکن پھر بھی دعائیں دیں اور اپنی خداداد معلمانہ شان تربیت اور نالہ نیم شبی سے ان پتھروں کو آبگینہ بنادیا۔

ایک بات امت کی توجہ چاہتی ہے کہ "الیوم اکملت لکم دینکم الخ" کی آیت کریمہ کے نزول اور اللہ کی طرف سے دین کی تکمیل کے اعلان کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر صحابہ کرامؓ کو یکے بعد دیگرے یہ تلقین فرمائی کہ جو موجود ہے وہ غائب تک اسلام کے پیغام کو پہنچادے، چنانچہ پیغمبر صحرا صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ دعوت اسلام کو لے کر نکل پڑے، ایک غلط اور گمراہ کن تاثر یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اسلام صرف طاقت کے زور پر پھیلا ہے، قوت کے بل پر پھیلا ہے، لیکن تاریخ اس کی نفی کرتی ہے مظلومیت اور بے بسی کے عالم میں بھی اسلام کی دعوت کا کام برابر ہوتا رہا۔ تاریخ میں ہرقل کے دربار میں پیش ہونے والے اس قیدی کی مثال موجود ہے جس نے اسلام سے منہ موڑنے سے انکار کرنے کی پاداش میں پہلے مرحلے میں تو اقتدار کو ٹھکرایا اور اسیر ہونا گوارا کیا اور زنداں میں اس پر آب ودانہ نہایت کم کردینے کے نتیجہ میں جب وہ دم واپسیں کے بالکل قریب ہونے لگا، تو ہرقل نے اسے اپنے دربار میں حاضر کرکے اس کے سامنے خنزیر کا گوشت اور شراب پیش کیا اور کہا کہ اسے کھالو کہ جان کے خطرہ کی صورت میں تو یہ تمہارے لئے حلال ہے! لیکن اس قیدی نے جو جواب عنایت کیا وہ اس کی عزت وخودداری اور ایمانی قوت کی مظہر ہے کہ اس صورت میں اسے کھانا تیری روح اور تیرے کبر کو تقویت بخشے گا، بات یہیں ختم نہیں ہوئی، بلکہ ہرقل کے دربار میں موجود کئی درباری جو اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، اٹھے اور ان کے دل نے گواہی دی کہ اس قیدی کا مذہب جھوٹا نہیں ہوسکتا، نتیجہ میں وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے، ایک دوسری مثال انڈونیشیا کی ہے، عرب مسلم تاجروں کی ایک کشتی غرقاب ہوگئی لیکن وہ کسی طرح اپنی جان اور کچھ مال تجارت بچالے جانے میں کامیاب ہوگئے، حالت ناامیدی کی تھی ارادہ تھا کہ اونے پونے مال تجارت فروخت کرکے دوبارہ سفر شروع کردیں گے لیکن وہ سچے تاجر تھے، ان کے کردار وعمل نے انڈونیشیا کے باشندوں کو ایسا متاثر کیا کہ آج دنیا کے نقشہ پر انڈونیشیا سب سے زیادہ مسلم آبادی والا ملک بن کر ابھر آیا ہے، ادھر اسپین میں مسلمانوں کی شوکت وعظمت کا سورج غروب ہورہا تھا اور ادھر انڈونیشیا میں اسلام طلوع ہورہا تھا، مسلمانوں نے سفر کیا مگر محض مال تجارت کے ساتھ نہیں بلکہ "جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچادے" کی امانت کو سینہ سے لگا کر، تعلیمات قرآنی کو سینہ میں اتار کر اور اس کو بنی نوع انساں کے سینوں میں اتارنے کے جذبہ کو اپنا کر اس طرح جہاں بھی وہ گئے اپنی مرکزی روح، اپنی روایات اور اپنے تشخص کے ساتھ گئے چنانچہ وہ روم بھی گئے، ایران بھی گئے، مصر بھی پہونچے جہاں کی اپنی اپنی تہذیبیں تھیں اور دل ودماغ پر ان تہذیبوں کا تسلط تھا لیکن صحابہ کرامؓ اللہ کے رسول کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے انسانوں کو ہی نہیں فلسفہ کو بھی مسلمان کردیا اور نظریہ کو بھی اسلامی قالب میں ڈھال دیا۔ یہ قوت وتاثیر اسلام ہی کی ہے کہ وہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ اثر انداز ہوتا ہے۔

دعوت اسلام اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ داعیان اسلام نے اصل آبادی کو کبھی نیست ونابود نہیں کیا جب کہ خود کو مہذب ومتمدن کہنے والی قوموں کی تاریخ کا معاملہ اس کے برعکس رہا ہے، چنانچہ آج Red

Indians کا وجود کہاں ہے؟ لیکن اس کے برعکس حاملین قرآن اور داعیان اسلام کو صحراؤں نے راستے دیے، اور بحر ظلمات میں انہوں نے اپنے گھوڑے دوڑا دیے۔

ایک مثال محمد بن قاسم کی ہے اگر چہ وہ فاتح بن کر اس ملک میں داخل ہوئے تھے لیکن انہوں نے اپنی رعایا کے دلوں کو جس انداز سے جیتا اور یہاں سے محمد بن قاسم کی واپسی کے نتیجہ میں عوام میں جو صف ماتم بچھی اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ دراصل محمد بن قاسم کی عقیدت ومحبت نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔

ایران وافغانستان سے ہوتا ہوا مسلمان ہندوستان آیا اپنے دین وتمدن، اپنی تہذیب وروایات، اپنے اقدار وتشخص کے ساتھ آیا اور اسے اب تک سینہ سے لگائے ہوئے ہے ان امانتوں کو چیلنج ماضی میں بھی رہا ہے، اور آج بھی ہے، اور اس کے خلاف ذرائع ابلاغ کے اس دور میں پروپیگنڈہ زوروں پر ہے، ایک بات خصوصیت کے ساتھ پھیلائی جارہی ہے کہ ماضی میں اسلام بھی دوسری تہذیبوں کی طرح اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا، چنانچہ "ہر عروج کو زوال ہے" کے اصول کے تحت اب اسلام کا زوال بھی کوئی انہونی بات تو ہے نہیں لیکن اسلام اور اسلامی تہذیب اور دیگر تہذیبوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر کا سانچہ آسمانی ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خالق کائنات نے اپنے ذمہ خود لی ہے، جب کہ ثانی الذکر تہذیبیں یا مذاہب، یا تو انسانی ذہنوں کی اختراع تھیں یا پھر تحریف شدہ ہیں، رہا پروپیگنڈہ اور تشدد تو اس کا سلسلہ ابتدائے اسلام سے رہا ہے ابوجہل کے اسلام مخالف پروپیگنڈہ اور تشدد سے کون واقف نہیں لیکن دنیا نے دیکھا کہ سچائی میں بڑی قوت ہے اور جھوٹے پروپیگنڈہ کا مقدر ہے کہ سچائی کے سامنے وہ دم توڑ دے۔ اس کی ایک مثال چین کی ہے کہ کس طرح ایک تابعی قیدی تشدد کا نشانہ بنے اور زنداں کی صعوبتیں اٹھائیں لیکن جب یہ تابعی قیدی جیل سے آزاد ہوئے تو ہزاروں کو شرک وبت پرستی سے بھی آزاد کر گئے، اور وہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تو تصویر کا یہ محض ایک رخ ہے کہ مسلمانوں نے فاتح کی حیثیت سے اسلام کی دعوت دی اور اس کی اشاعت کی جب کہ واقعہ یہ ہے کہ بے بسی وبے چارگی کے عالم میں بھی مسلمانوں کا یہ تبلیغی سفر برابر جاری رہا۔

بغداد میں چنگیز کے ذریعہ خاک وخون کی داستان بزبان حال کہہ رہی تھی کہ اب مسلمان مٹ جائے گا لیکن اسلام نے اس فاتح قوم کے دلوں کو فتح کر لیا اور صنم خانہ سے کعبہ کو پاسباں مل گئے۔

تو اسلام کے سفر کی ایک تاریخ ہے جو دعوت وعزیمت سے بھری پڑی ہے، مسئلہ اس کا ہرگز نہیں ہے کہ اسلام باقی رہے گا یا نہیں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم خود واقعی مسلمان ہیں بھی یا نہیں؟ خدانخواستہ اگر ہم مسلمان بننے کے اس معیار پر پورے نہیں اتر سکے، جو اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ہے، تو یقیناً ہمارا وجود خطرہ میں ہے، رہا اسلام تو وہ قیامت تک باقی رہنے کے لئے ہے، اس کی اشاعت میں نہ دباؤ کو دخل رہا ہے نہ لالچ کو بلکہ اس کی حقانیت نے دنیا سے ہمیشہ اپنا لوہا منوایا ہے، اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا دبایا جائے گا نائن الیون کے بعد کے حالات اور وہاں تمویلیت اسلام میں نمایاں اشاعت کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔ رشدی جیسے شر پسندوں کی حرکتوں کے بطن سے خیر وجود میں آتا رہا ہے اور اسلام مخالف پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں لوگوں میں اسلام سے واقفیت کا جذبہ اور داعیہ پیدا ہو رہا ہے، ابھی حال میں ایک پادری نے اسلام مخالف پروپیگنڈہ خصوصاً جہاد مخالف پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کی روشنی میں جہاد کا تقابلی مطالعہ شروع کیا اور خود اس کا بیان ہے کہ جب اس نے "الجہاد فی الاسلام" نامی کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کی ذہن کی گرہیں کھل گئیں اور جو شخص اب تک عیسائیت کا داعی تھا، وہ آج اسلام کا نہ صرف مدعو ہے بلکہ اسلام کی دعوت کی تڑپ اسے بے قرار کئے ہوئے ہے۔

زمانہ منتظر ہے اس زندہ قوم کے لئے جو اسلام کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہے اس صورت میں ع

تو دانی حساب کم وبیش را

ضرورت مایوسی کی نہیں، حرارت ایمانی کی ہے۔

دعائے مغفرت

مولانا رشید احمد خانپوری صاحب (گجرات) کی اطلاع کے مطابق ایک ندوی فاضل مولانا ابوبکر سعید ندوی صاحب کا ۲۸ رجنوری ۲۰۰۵ء کو لندن میں انتقال ہو گیا ہے۔ مرحوم تعمیر حیات کے قاری رہے، پچھلے ۸ ماہ سے ان کے گردوں نے کام کرنا بند کر دیا تھا معالجہ کے سلسلہ میں فروری کے پہلے ہفتہ میں ان کا ہندوستان آنے کا پروگرام تھا لیکن اس سے پہلے ہی اللہ رب العزت نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ کرتے ہوئے جوار رحمت میں جگہ دے۔

IZHARSON PERFUMERS
Phone : 0522-2255257
اظہارسن پرفیومرس
لکھنؤ کے قدیم مشہور ومعروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ،
عرق کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دکان
ایک مرتبہ تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں
اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ ۳
تیار کردہ
Izharson Perfumers
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-226003
E-mail : izharsonperfumers @yahoo.com

اپنی نوعیت کی ایک منفرد لسانی لغت
"انگریزی، عربی، اور اردو ڈکشنری"
(تین جلدوں میں)
سنگم
از : جناب حکیم عزیز الرحمٰن الاعظمی
جس میں ہر ہر انگریزی حرف سے بننے والے بیشمار الفاظ ومشتقات ابجدی ترتیب سے درج کر کے ان کے متبادل اور ہم معنی عربی اور اردو میں مستعمل الفاظ لکھے ہیں۔
تحقیق وتصنیف اور ترجمہ کا کام کرنے والوں کے لئے
ایک نادر ونایاب تحفہ
فی جلد =/200 روپے -- کل صفحات 2278
ناشر : مکتبہ فردوس، مکارم نگر، پرولیا، ٹیگور مارگ، لکھنؤ ۲۲۶۰۲۰

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow.
Phone : 2618636, 2258506
Mobile : 9415001207

ہردینا
• ذہنی وعصابی کمزوری دور کرتا ہے
• پیشاب میں درد، جلن کو ختم کرتا ہے
• جنین کے لئے بیحد مفید ہے

صبا کا آملہ
بالوں کا بہترین محافظ

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ تشریف لائیں
menmark
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone (O) 2216948 @ 2227493

حسنی فارمیسی
(O) 2202677 , M : 94150 28675, 9415055047